معارف

ستمبر ۲۰۱۶ء

مجلس دارالمصنّفین کا ماہوار علمی رسالہ

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ

سالانہ زرتعاون

ہندوستان میں سالانہ ۲۸۰ ؍روپئے۔ فی شمارہ ۲۵ ؍روپئے۔ رجسٹرڈ ڈاک ۴۸۴ ؍روپئے
دیگر ممالک میں سادہ ڈاک ۱۶۶۰ ؍روپئے۔ دیگر ممالک رجسٹرڈ ڈاک ۱۷۸۰ ؍روپئے
ہندوستان میں ۵ سال کی خریداری صرف ۱۳۰۰ ؍روپئے میں دستیاب۔

پاکستان میں ماہنامہ معارف کے لئے رابطہ کریں

HAFIZ SAJJAD ELAHI
196 - AHMAD BLOCK, NEW GARDEN TOWN
LAHORE (PUNJAB) PAKISTAN
Tel: 0300 - 4682752, (R) 5863609, (O) 7280916
Email: abdulhadi_133@yahoo.com

سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں۔ بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں۔

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY, AZAMGARH

- زرتعاون ختم ہونے پر تین ماہ کے بعد رسالہ بند کردیا جائے گا۔
- معارف کا زرتعاون وقت مقررہ پر روانہ فرمائیں۔
- خط وکتابت کرتے وقت رسالہ کے لفافے پر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔
- معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔
- کمیشن ۲۵ فیصد ہوگا۔ رقم پیشگی آنی چاہئے۔

Email: shibli_academy@rediffmail.com, info@shibliacademy.org
Website: www.shibliacademy.org
Bank Name: Punjab National Bank - Heerapatti, Azamgarh
Account No: 4761005500000051 - IFSC No: PUNB0476100
(Office Mobile) 09170060782

عبدالمنان ہلالی (جوائنٹ سکریٹری ؍منیجر) نے معارف پریس میں چھپوا کر
دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی کا علمی و دینی ماہنامہ

معارف

جلد نمبر ۱۹۸ ماہ ذی الحجہ ۱۴۳۷ھ مطابق ستمبر ۲۰۱۶ء عدد ۳

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی
پوسٹ بکس نمبر: ۱۹
شبلی روڈ، اعظم گڑھ (یوپی)
پن کوڈ: ۲۷۶۰۰۱

فہرست مضامین

شذرات

معارف صدی سال کی نسبت سے کام کا جو خاکہ تیار کیا گیا تھا اور اس سلسلہ میں جو مختلف منصوبے پیش نظر تھے ان کا ذکر اس سے پہلے ان صفحات میں ہو چکا ہے۔ اللہ کے فضل و کرم سے ان پر کام کی ابتدا ہو چکی ہے۔ اس سلسلہ میں درپیش بہت سی مشکلات کے باوجود ہماری کوشش ہوگی کہ صدی سال کے آخر تک ان کو مکمل کرلیا جائے۔ کئی بار دستیاب وسائل ہمارے عزائم کا ساتھ نہیں دے پاتے۔ پھر بھی ہماری خواہش اور کوشش ہے کہ معارف صدی کو اس طرح منایا جائے جو اس کے شایان شان ہو۔ انہی مشکلات کے درمیان اللہ تعالیٰ نے اپنے خصوصی فضل و کرم سے شبلی صدی سال کو اس طرح منانے کے اسباب مہیا فرمائے کہ اس نے ایک مثال کی حیثیت اختیار کرلی۔ اسی ذات پاک کے فضل عمیم سے ہمارا یہ خواب بھی شرمندہ تعبیر ہوگا۔

اس پروگرام کے ایک اہم حصہ کے طور پر "معارف صدی سیمینار" انشاءاللہ ۲۶۔۲۷ فروری ۲۰۱۷ء کو منعقد ہوگا۔ اس کے لیے دعوت نامے ارسال کرنے کا سلسلہ جلد شروع ہوجائے گا۔ معارف کی خدمات اور حصول یابیوں کے کسی پہلو پر بھی مقالہ لکھنے کے لیے معارف کی فائل کی ضرورت ہوگی۔ خوش قسمتی سے بہت سے علمی مراکز پر اس کا بیشتر سرمایہ دستیاب ہے لیکن کئی جگہیں ایسی بھی ہوسکتی ہیں جہاں یہ سہولت موجود نہ ہو۔ انہی اسباب کی وجہ سے معارف صدی سال کی نسبت سے جو منصوبے اور تجاویز پیش نظر ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ معارف کی پوری فائل اکیڈمی کی ویب سائٹ پر فراہم کرادی جائے۔ ہماری کوشش ہوگی کہ اس کام کو ممکن حد تک جلد از جلد انجام دیا جاسکے تاکہ اس سے عمومی استفادہ کی راہ ہموار ہوسکے۔ آپ کے علم میں یہ بات ہوگی کہ معارف کی ۹۲ سال کی مکمل فائل پہلے ہی ڈیجی ٹائز کی جاچکی ہے اور گذشتہ کئی برسوں سے شائقین کو دستیاب ہے۔ اب پوری صدی کی ڈیجیٹل کاپی دستیاب ہوگی۔

معارف اسلامی علوم و فنون کا ایک عظیم الشان دائرۃ المعارف ہے۔ اس کے صفحات میں علم و

دانش اور بحث و تحقیق کی ایک دنیا آباد ہے۔اس کی صد سالہ فائل میں علمی اور ادبی موضوعات پر بے شمار اعلیٰ درجہ کے مقالات اور مضامین بکھرے ہوئے ہیں۔اگر ان کا نہایت محتاط انتخاب کیا جائے تو بھی بلا مبالغہ ان کو شائع کرنے کے لیے درجنوں مجموعوں کی ضرورت ہوگی جس کے ہمارے افرادی اور مادی وسائل متحمل نہیں ہوسکتے۔البتہ یہ چیز شروع ہی سے معارف صدی کے منصوبہ میں شامل رہی ہے کہ بعض موضوعات پر منتخب مقالات کے چند مجموعے شائع کیے جائیں گے۔چنانچہ اس وقت معارف سے متعلق اور معارف کی منتخب تحریروں پر مشتمل کئی کتابیں تیاری کے مختلف مراحل میں اور ان میں سے بعض کے جلد مکمل ہوجانے کی توقع ہے۔اس سے پہلے انہی صفحات میں اس بات کا ذکر ہو چکا ہے کہ معارف کے خاص نمبر "ہندوستانی مسلمان شذرات معارف کے آئینہ میں" کو معارف صدی مطبوعات کے تحت کتابی صورت میں دو جلدوں میں شائع کرنے کا منصوبہ ہے۔اس پر جلد کام شروع کردیا جائے گا۔وفیات کے موضوع پر مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا شاہ معین الدین ندوی اور جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن کے قلم سے نکلنے والی تحریریں پہلے ہی شائع کی جا چکی ہیں۔اس موضوع پر مولانا ضیاء الدین اصلاحی کی تحریروں کا مجموعہ تیار ہے۔اسے بھی معارف صدی مطبوعات کے تحت شائع کیا جائے گا۔"عالم اسلام۔شذرات معارف کے آئینہ میں" کے عنوان سے ایک مجموعہ شائع کرنے کا منصوبہ ہے اور اس سلسلہ میں ابتدائی کام شروع ہو چکا ہے۔چند سال پہلے اکیڈمی سے معارف کا ایک اشاریہ شائع کیا جا چکا ہے جو ۲۰۱۱ء تک کا احاطہ کرتا ہے۔اب معارف صد سالہ مطبوعات کے تحت انشاء اللہ پوری صدی پر محیط موضوعاتی اشاریہ کی تیاری اور اشاعت ہماری ترجیحات میں شامل ہے۔اس منصوبہ پر کام جاری ہے اور اس کے جلد مکمل ہونے کی توقع ہے۔ان کے علاوہ مختلف موضوعات پر منتخب مقالات کے متعدد مجموعوں کی اشاعت اس منصوبہ میں شامل ہے۔دارالمصنّفین نے جب اپنی باثمر زندگی کے سو سال پورے کیے تھے تو اس کی ایک مبسوط تاریخ "دارالمصنّفین کے سو سال" کے نام سے شائع کی گئی تھی۔اسی انداز پر معارف کی صد سالہ زندگی پر "معارف کے سو سال" کے نام سے ایک کتاب کی تیاری کا کام آخری مراحل میں ہے۔دعا ہے کہ اس کثیر الجہات منصوبہ کی تکمیل کے لیے درکار ضروری اسباب و وسائل کی فراہمی کی سبیل پیدا ہو، آمین۔اس سلسلہ میں تعاون کے لیے ہم شکر گذار ہوں گے۔

جیسا کہ آپ کو علم ہے معارف کی پیش کش کا انداز شروع ہی سے غیر معمولی حد تک سادہ رہا ہے۔اس کے باوجود اکیڈمی نے نہ صرف وقت کی رفتار اور تقاضوں کا ہمیشہ ادراک کیا ہے بلکہ ان سے عہدہ برا ہونے کے لیے بھی ممکن حد تک ضروری اقدامات کرتی رہی ہے۔دارالمصنّفین کے کاتب حسنِ کتابت اور اپنے مخصوص انداز کے لیے معروف تھے،لیکن جب کمپیوٹر کا زمانہ آیا تو اسے اختیار کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی گئی۔کئی سال پہلے سے یہ آن لائن ہے اور جزئی طور پر سرچ ایبل بھی۔ اگر آپ فہرست مضامین میں کسی مضمون کو کلک کریں تو وہ مضمون کھل کر سامنے آجائے گا اور آپ کو وہاں تک پہنچنے کے لیے صفحات کی ورق گردانی نہیں کرنی پڑے گی جیسا کہ عام طور پر آن لائن رسائل کے سلسلہ میں کرنا پڑتا ہے۔اب اکیڈمی نے ایک اور بڑا قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا ہے۔کوشش کی جارہی ہے کہ اسے اسی شمارہ سے پوری طرح سرچ ایبل (Searchable) بنادیا جائے،انشاءاللہ۔کمپیوٹر پر کام کرنے والے اس بات سے واقف ہیں کہ انگریزی متون اور مکتبہ شاملہ وغیرہ میں یہ سہولت دستیاب ہوتی ہے اور اس سے اپنی ضرورت کا مواد تلاش کرنے میں غیر معمولی سہولت ہوتی ہے۔اردو میں اب تک یہ سہولت دستیاب نہیں ہے اور پہلی بار معارف میں اس کا تجربہ کیا جارہا ہے۔ساتھ ہی یہ بھی کوشش کی جارہی ہے کہ اسے ای بک (E-book) فارمیٹ میں پیش کیا جائے۔اس سے ایک طرف تو بیک جنبشِ انگشت مطلوبہ مواد تک رسائی ممکن ہوجائے گی۔دوسری طرف اسے کمپیوٹر کے علاوہ آئی فون، ٹیبلٹ،اسمارٹ فون،کنڈل اور اس نوع کے دوسرے آلات کے ذریعہ پڑھا بھی جاسکے گا اور وہاٹس ایپ کے ذریعہ بھیجا اور حاصل بھی کیا جاسکے گا اور اس طرح معارف سوشل میڈیا کی سطح پر دستیاب ہوسکے گا۔اس طرح معارف کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچایا جاسکے گا اور اس کے شائقین خاص طور سے نئی نسل سے تعلق رکھنے والے شائقین کے لیے اس کا حصول اور مطالعہ آسان ہوجائے گا۔اردو صحافت کی تاریخ میں معارف کی کئی اولیات ہیں۔یہ بھی اس کا ایک بڑا امتیاز اور اولیت ہے۔ہماری معلومات کی حد تک ابھی تک اردو کا کوئی اور رسالہ اس امتیاز میں اس کا شریک نہیں ہے۔ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ یہ کام ہماری اپنی کمپیوٹر لیب میں انجام پایا۔ظاہر ہے یہ کام ابھی تجرباتی مرحلہ میں ہے۔اس کو زیادہ مفید اور موثر بنانے کی کوشش جاری رہے گی۔اس سلسلہ میں آپ کی تجاویز کا خیر مقدم کیا جائے گا۔

مقالات

تصور معراج اور تفسیری مغالطے

ڈاکٹر حیات عامر حسینی

میری بحث کا محور کلام پاک کی سورہ اسریٰ اور سورۃ النجم کی یہ آیات ہیں جن میں تاریخ روحانیت وانسانیت کے سب سے اہم واقعہ معراج کا بیان ہے۔

سُبۡحَانَ الَّذِیۡ اَسۡرَی بِعَبۡدِهِ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الاَقۡصَی الَّذِیۡ بَارَکۡنَا حَوۡلَهُ لِنُرِیَهُ مِنۡ آیَاتِنَا اِنَّهُ هُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ (بنی اسرائیل:۱)

پاک ہے وہ جو لے گیا ایک رات اپنے بندے کو مسجد حرام سے دور کی اس مسجد تک جس کے ماحول کو اس نے برکت دی ہے تاکہ اسے اپنی کچھ نشانیوں کا مشاہدہ کرائے۔ حقیقت میں وہی ہے سب کچھ سننے اور دیکھنے والا۔

وَالنَّجۡمِ إِذَا هَوٰی مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمۡ وَمَا غَوٰی۔ وَمَا یَنطِقُ عَنِ الۡهَوٰی إِنۡ هُوَ إِلَّا وَحۡیٌ یُّوحٰی عَلَّمَهُ شَدِیۡدُ الۡقُوٰی ذُو مِرَّةٍ فَاسۡتَوٰی وَهُوَ بِالۡأُفُقِ الۡأَعۡلٰی ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوۡسَیۡنِ أَوۡ أَدۡنٰی فَأَوۡحٰی إِلٰی عَبۡدِهِ مَا أَوۡحٰی مَا کَذَبَ الۡفُؤَادُ مَا رَأٰی أَفَتُمَارُونَهُ عَلٰی مَا یَرٰی وَلَقَدۡ رَآهُ نَزۡلَةً أُخۡرٰی عِندَ

قسم ہے تارے کی جب کہ وہ غروب ہوا، تمہارا رفیق نہ بھٹکا ہے نہ بہکا ہے، وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتا یہ تو ایک وحی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے، اسے زبردست قوت والے نے تعلیم دی ہے جو بڑا صاحب حکمت ہے، وہ سامنے آ کھڑا ہوا جب کہ وہ بالائی افق پر تھا پھر قریب آیا اور اوپر معلق ہوگیا، یہاں تک کہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے کچھ کم فاصلہ رہ گیا، تب اس نے اللہ کے بندے کو

شعبہ فلسفہ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔

سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى عِندَهَا جَنَّةُ الْمَأْوٰى إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى لَقَدْ رَأَى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى۔ (النجم:۱۔۱۸ ص:۱۳۴۰)

وحی پہنچائی جو وحی بھی اسے پہنچانی تھی، نظر نے جو کچھ دیکھا دل نے اس میں جھوٹ نہ ملایا، اب کیا تم اس چیز پر اس سے جھگڑتے ہو جسے وہ آنکھوں سے دیکھتا ہے اور ایک مرتبہ پھر اس نے سدرۃ المنتہٰی کے پاس اس کو اترتے دیکھا جہاں پاس ہی جنت الماوی ہے، اس وقت سدرہ پر چھا رہا تھا جو کچھ کہ چھا رہا تھا، نگاہ نہ چندھیائی، نہ حد سے متجاوز ہوئی اور اس نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔

فلسفہ اسلامی کی بنیادیں تفسیریات اسلام Islamic Hermeneutics میں پیوستہ ہیں اور اس کا آغاز ان سوالات سے ہوا جو مختلف مواقع پر قرآنی آیات کی تشریح، معانی اور اطلاقات کے سلسلہ میں اٹھائے گئے۔ یہ سوالات اور ان کی مختلف تشریح و تعبیرات کا تعلق حضرت خاتم النبیینؐ کے ارشادات عالیہ اور اسوۂ حسنہ سے بھی ہے۔ یہ سوالات آپؐ کی موجودگی میں بھی اٹھے۔ اور آپؐ کے بعد بھی۔ دور خلافت راشدہ میں ان سوالات نے ایک نیا رخ اختیار کیا جس کی مختلف جہتیں ایک وسیع ارتقائی تناظر میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

ان مسائل کا پیدا ہونا لازمی تھا۔ اور ان کی کئی بنیادی وجوہ تھیں مثلاً:

(۱) قرآن حکیم کا حکیمانہ اجمال اور آپؐ پر نبوت و رسالت کا خاتمہ۔ (۲) اسلامی تہذیب کا پھیلاؤ اور مختلف تہذیبوں کے ساتھ اسلامی تہذیب کا تعلق اور ان پر غلبہ۔ (۳) اور غیر اسلامی تہذیبوں کا معاندانہ رویہ اور اسلام کے خلاف مختلف سطحوں پر سازشوں کا جال۔ یوں ان مسائل کا تعلق اسلام کی تہذیبی حرکت کے ساتھ تھا، جس کی بنیاد قرآن حکیم اور اسوۂ رسولؐ ہے۔

رسول معظمؐ کے فرمودات کی تشریح اور ان کی حیثیت کا تعین تو بہت بعد کے زمانے کے مسائل ہیں۔

جن مسائل نے ہماری مابعد الطبیعات، علمیات، اخلاقیات، سماجیات، دینیات اور روحانیات (تصوف) میں انتہائی اہم اور اساسی حیثیت حاصل کی ان میں جبر وقدر، توحید و عدل، معاد

اور خلافت کلیدی اہمیت کے حامل ہیں۔

لیکن معراج کا مسئلہ جو بعد میں معتزلہ اور اشاعرہ کے علم الکلام اور تفاسیر میں ایک اہم مسئلے کی حیثیت سے ابھرا اور جسے تصوف میں ایک کلیدی حیثیت واہمیت حاصل ہوئی، کیونکہ اس کا تعلق انسان کامل اور نور اول اور سلسلہ نبوت سے ہے، قبل ہجرت ہی بہت اہم مسئلہ بنا تھا۔ معراج کا واقعہ خود مومنین کے لیے بھی ایک آزمائش اور ایمان کی کسوٹی بن کر ابھرا۔ کفار و مشرکین کی موشگافیاں تو تاریخ کے اوراق پر پھیلی ہوئی ہیں۔ اس واقعہ سے خود کئی صحابہ کے دل میں ایک ہلچل سی پیدا ہوئی تھی۔ معراج کے سلسلہ میں قرآن کریم کی آیات بینات بہت ہی مجمل، معنی خیز اور استعاراتی ہیں اور مختلف لطائف، اسرار، حقائق اور کیفیات کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

میرے خیال میں تصور معراج کی چار بڑی تشریحی جہتیں ہیں۔

۱۔ متکلمین، یعنی معتزلہ اور اشاعرہ۔ ۲۔ مفسرین ومحدثین۔ ۳۔ صوفیہ۔ ۴۔ فلاسفہ۔

انسانی تاریخ کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ انسانوں کی ایک بڑی تعداد ہمیشہ رسول کے مرتبہ اور رسالت کو سمجھنے سے قاصر رہی۔

رسول ایک انسان ہے ایک زندہ جاوید شخصیت، جسے اللہ نے اپنا نمایندہ بنا کر انسانوں کی طرف ایک پیغام کے ساتھ مبعوث فرمایا۔

قرآن پاک اس کی بعثت کی چار بڑی حیثیتوں کو جو اس کے تمام مشن اور اس کے وجود محترم کا احاطہ کرتی ہیں کئی آیات میں سامنے لے آتا ہے۔ ان چاروں جہتوں کا تعلق فرد، سماج، تہذیب اور روز حشر یعنی معاد سے ہے۔ یوں رسول کا تعلق تاریخ سے بھی ہے اور مابعد التاریخ سے بھی۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِیْ الْأُمِّیِّیْنَ رَسُولاً مِّنْهُمْ یَتْلُو عَلَیْهِمْ آیَاتِهِ وَ یُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَةَ (الجمعہ:۲)	وہی ہے جس نے امیوں کے اندر رسول خود انہی میں سے اٹھایا جو انہیں اس کی آیات سناتا ہے۔ ان کی زندگی کو سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

وہ ایک انسان ہے وہ کوئی اسطوری پیکر نہیں۔ وہ فرد، سماج اور تہذیب کی تخلیق کرتا ہے اور ان کا اللہ سے تعلق پیدا کرتا ہے۔ اس تعلق میں اس کی حیثیت ان تمام اسماء وصفات سے ظاہر ہوتی ہے

جن کا بار بار کلام پاک ذکر کرتا ہے۔لیکن رسول اکرمؐ کے بارے میں کلام پاک کا رویہ کلی طور پر الگ ہے۔آپؐ کی ذات گرامی ان تمام صفات واسماء اور اختیارات سے مزین ہے جو کسی اور نبی یا رسول میں کبھی مجتمع نہ ہوئیں اور سات ایسی صفات ہیں جو آپؐ کو تمام انبیاء سے منفرد کرتی ہیں۔یہ صفات کسی پیغمبر کو عطا نہیں کی گئیں:

۱۔آپ کی عالم گیر حیثیت (کافۃ للناس) ۲۔رحمۃ للعالمین ۳۔پیکر خلق عظیم ۴۔عبدہ ۵۔شفیع المذنبین ۶۔تمام پیغمبران عظام اور امتوں پر گواہ ۷۔اور قاسمیت

ہمارے بہت سے مسائل کی جڑ مرتبۂ رسالت و نبوت کے صحیح ادراک سے دوری ہے۔

ایک پیغمبر کا وجود اور اس کا فرض منصبی اور اس کے احوال وواردات ہمارے محسوسات، ہماری عقل اور ہماری تعبیرات سے باہر ہیں۔پیغمبر کا وجود ایک سر عظیم ہے۔اور اس کے فرض منصبی کی نوعیت وحقیقت بھی ایک سر عظیم، ٹھیک اسی طرح اس کے احوال وواردات بھی ایک سر عظیم۔ان کو عام انسانی وجود، فرائض اور محسوسات اور علم واعمال پر منطبق کرنا ایک عظیم مغالطہ ہے۔یہ سمجھ لیجیے کہ وہ خدائے عظیم کا منتخب فرستادہ ہے اور اس کے پیغام کا حامل۔اس کا وجود کلی طور پر کامل اور معصوم ہوتا ہے۔اس کا علم عطائی ہوتا ہے اور اس کے روحانی تجربات کا سیدھا تعلق عالم ملکوت وربانی سے ہوتا ہے۔

پیغمبر خدا کی عظمت وعصمت آپ کا علم وکمال اور جمال وجلال صفات ربوبیہ کے پرتو کا وہ بیکراں سمندر ہے جسے سمجھنا انسانیت کے لیے ممکن ہی نہیں۔ہاں ہر ایک جن وانسان اپنے تزکیہ نفس، شدت ایمان اور وسعت وکمال علم ویقین وعمل کے لحاظ سے اس سے مستفید ومنور ہوتا رہے گا۔اور اس کے فرض منصبی یعنی نبوت ورسالت کی حقیقت کا ادراک کیسے انسانیت کر سکتی ہے؟ کیا ہماری تعبیرات و تشریحات اس کی حقیقت کا کلی بیان ہیں؟ وحی کی حقیقت کیا ہے؟ ایک پیغمبر کس طرح اللہ کے پیغام کو پاتا ہے۔کس طرح اس پر وحی آتی ہے۔کیا اس کا بیان یا ادارک ممکن ہے؟

زیادہ سے زیادہ کچھ تمثیلیں ہیں، جن کے ذریعہ ہمیں اس کی نوعیت کو سمجھانے کی کوشش کی گئی۔مکھیوں کے بھنبھنانے کی آواز، گھنٹیوں کی آواز، صلصلۃ الجرس، محض علامتیں ہیں جن کے ذریعہ ہمارے اندر اس کے ادراک کو جگانے کا عمل شروع ہوتا ہے۔اس کی حقیقت اتنی اعلیٰ وارفع اور لطیف ہے کہ اس کا بلا واسطہ Direct ادراک ہمارے لیے ممکن نہیں۔ہمارے روحانی تجربات اور شعور کتنا

ہی بلند کیوں نہ ہوجائے یہ پیغمبر کے روحانی تجربات اور شعور کی گرد کے برابر بھی نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ نہ ہم پیغمبر ہیں، نہ معصوم، نہ علم و وجود میں کامل اور نہ بلاواسطہ عالم ملکوت وربانی سے وابستہ۔ اسی لیے اسریٰ یا معراج کی نوعیت وحقیقت کو سمجھنا انسان کے بس کی بات نہیں۔ انسانی علم کتنا ہی وسیع کیوں نہ ہوجائے وہ پیغمبر کے مرتبہ علم اور تجربات کی ادنیٰ سطح کو بھی نہیں چھوسکتا۔ اس کے لیے یہ بات ہی ایک ناقابل فہم معمہ ہے کہ جملہ افلاک کی حدود کو پھلانگ کر پیغمبر اعظم وآخر سدرۃ المنتہیٰ اور عرش اعلیٰ تک کیسے جا پہنچتا ہے۔ اس کی فہم وادراک کے لیے معقولات فہم اساسی شرط ہیں۔ لیکن یہ تجربہ اور واقعہ تو تمام معقولات سے بالاتر ہے۔

اسی لیے اس کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار ہی نہیں کہ وہ وجود پیغمبر کی طرح اس کے تجربات پر بھی ایمان لے آئے، جسے ہم ایمان بالغیب کہہ رہے ہیں۔

اب اس مسئلہ پر ایک دوسرے زاویے سے غور کیجیے۔

زمان ومکان کی حیثیت کا تعلق انسان کی طہارت و پاکیزگی یعنی تزکیہ نفس سے ہے۔ روح وجسم جتنے پاکیزہ ہوں گے وجود انسانی اتنا ہی ارفع اور لطیف ہوگا اور اس کے زمان اور مکان بھی اس کی اس پاکیزگی کی سطح کے مطابق ہوں گے۔ عالم ملکوت، عالم لاہوت، عالم ناسوت، اسی کے عالم ہیں اور ہر عالم کا اپنا زمان ہے، زمان، مسلسل کی بھی بہت سی سطحیں ہیں اور زمان خالص کی بھی۔

کثیف روح وجسم وجود انسانی کو کثافت کی سطح کے مطابق سیاہ، ادنیٰ اور جامد بنادیتے ہیں۔

انسان کی نفسیات کا تعلق اس کی پاکیزگی اور کثافت کے ساتھ ہے۔ نفسیات اتنی ہی متحرک اور امن وسکون (سلامتی میں) اور یکسو ہوگی جتنا ایک انسان کی پاکیزگی کی سطح ہوگی۔

انسان کی روحانی اور وجودی پرواز بھی اسی سطح کے مطابق ہوگی۔ ایک کثیف جسم لطیف و ارفع روح کی متحمل نہیں ہوسکتی۔ یہ ایک دوسرے کی ضد اور مخالف قوتیں ہیں۔ کثیف روح کسی پاکیزہ جسم میں نہیں رہ سکتی۔ یہ ناممکن ہے۔ روح کی کثافت اس کی فطرت اور فطری اصولوں سے انحراف میں پوشیدہ ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کا باغی یا دشمن ابلیس یا طاغوت یا سیاہی وظلم وطغیان یا اس کا ماننے والا اور حمایتی ہے۔ جو طغیان میں جتنا زیادہ شدید ہوگا اتنا ہی اس کی روح وجسم کثیف اور نفسیات پراگندہ اور بکھری ہوئی ہوگی۔

پیغمبران عظام تو معصوم ہوتے ہیں، ان کا وجود اقدس انتہائی پاکیزہ، لطیف اور پرسکون و مطمئن ہوتا ہے۔ اور ان کی نفسیات انتہائی پرسکون، پاکیزہ اور یکسو ہوتی ہے۔ ان کی سوچ اور اعمال میں ذرہ برابر بھی انحراف، طغیانی و سرکشی اور پراگندگی نہیں ہوتی۔ وہ ہر سطح پر اور ہر میدان عمل میں اور ہر زمان انتہائی پاکیزہ ہوتے ہیں۔ ان کا ہر عمل وحی الٰہی کے مطابق ہوتا ہے۔ وہ اللہ کے منتخب فرستادہ ہیں اور تزکیہ، علم، حکمت اور عمل میں کامل و اکمل ہوتے ہیں۔ وہ پاکیزگی کے انتہائی مرتبہ پر فائز ہوتے ہیں اور نتیجتاً ان کا وجود انتہائی لطیف ہوتا ہے۔ اسی لیے نہ صرف یہ زمان و مکان ان کی گرفت میں ہوتے ہیں بلکہ دوسرے زمان و مکان بھی ان کے لیے کھلی کتاب کی طرح ہوتے ہیں۔ اس زمان و مکان میں ہونے کے باوجود ان کے اپنے الگ اور منفرد زمان و مکان ہوتے ہیں جو ان کی لطیف سطح کے مطابق ہوتے ہیں۔

اب آپ اندازہ کیجیے کہ رسول اعظم و آخرؐ جو سب پیغمبروں کے خاتم اور امام اور آخری اور مکمل ہدایت کے حامل ہیں کا مرتبہ، علم، آپ کی پرواز اور قوت برداشت اور حقائق برہانیہ کے مشاہدہ کی قوت کتنی زیادہ شدید اور مکمل ہوگی اور ان کی نفسیات کتنی پرسکون، پاکیزہ، ارفع اور کامل ہوگی؟

معراج کا تعلق آپؐ کی اسی لطافت روح و جسم اور ان کی قوت برداشت سے ہے۔ اسی لیے اللہ نے آپ کو "عبدہ" کے خطاب سے نوازا۔

جو شے جتنی پاکیزہ، لطیف، متحرک اور نفسیاتی طور پر پرسکون ہوگی، اس کی قوت پرواز اور قوت مشاہدہ اتنی ہی شدید، قوی اور لطیف ہوگی، اس کے لیے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں۔

یہی حقیقت، حقیقت اولیٰ کی صورت میں حضرت رسالت مآبؐ پر صادق آتی ہے اور اس کا بیان سورہ نجم کی آیات بینات میں ہے اور یہ اس بات کی غماز ہیں کہ معراج جسمانی ہے۔ اس لیے کہ آپؐ سے زیادہ پاکیزہ، لطیف، متحرک، نفسیاتی طور پر پرسکون و مطمئن اور کامل علم و عمل کوئی نہیں، کیونکہ آپؐ نور اول، محبوب خدا، "عبدہ" رحمت للعالمین اور حامل خلق عظیم ہیں۔

لولاک لما خلقت الافلاک اسی ذات اقدس کی توصیف ہے۔ اور یہ واقعہ انسانیت کے لیے سب سے بڑا امتحان تھا اور ہے۔

وما جعلنا الرؤیا التی ارینٰک الا فتنۃ اور یہ رویا جو ہم نے تجھے دکھائی تو اس لیے دکھائی

للناس (بنی اسرائیل:۶۰) کہ لوگوں کے لیے ایک آزمائش ہو۔

ہر عالم کی اپنی سطح وجود اور کشش gravity ہے۔آپؐ کی انتہائی عصمت، معراج اور مشاہدات معراج کو ثابت کرنے کے لیے بہت کافی ہے۔

غور کیجیے یہ ساری کائنات خدا کی ''مخلوق'' اور ''عبد'' ہے، لیکن رسول اعظم وآخرؐ عبدہ ہیں۔ آپؐ خاص نہیں اخص ہیں۔ معراج جسمانی اسی اخص حیثیت کی طرف اشارہ ہے۔ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اسی نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

> ''اللہ تعالیٰ اپنی ذات پاک کی عزت وعظمت اور پاکیزگی اور قدرت بیان فرماتا ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے اس جیسی قدرت کسی میں نہیں۔ وہی عبادت کے لائق اور صرف وہی ساری مخلوق کی پرورش کرنے والا ہے۔ وہ اپنے بندے یعنی حضرت محمد مصطفیٰؐ کو ایک ہی رات کے ایک حصہ میں مکہ شریف کی مسجد سے بیت المقدس کی مسجد تک لے گیا جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے زمانہ سے انبیاء کرام علیہم السلام کا مرکز رہا ہے۔ اسی لیے تمام انبیاء علیہم السلام وہیں آپ کے پاس جمع کیے گئے اور آپ نے وہیں ان ہی کی جگہ ان سب کی امامت کی جو دلیل ہے اس امر کی امام اعظم اور رئیس مقدم آپ ہی ہیں صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین''۔

معراج پیغمبر اعظم وآخرؐ کی حیات طیبہ میں سب سے اہم منزل اور پڑاؤ کی حیثیت کی حامل ہے۔ ایک طرف مکہ کی زندگی جس کے مظالم کی انتہائی شکل سفر طائف سے سامنے آتی ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ تھرا اٹھتا ہے۔ رحمت للعالمین کا جسم اطہر طائف کے اوباشوں کے ذریعہ خون مطہر سے رنگین ہو جاتا ہے اور آپؐ کے پائے مقدس ومحترم جن پر ساری کائنات قربان نعلین مبارک میں خون سے چپک جاتے ہیں اور آپؐ ایک باغ میں پناہ لیتے ہیں، لیکن اس دعا کے ساتھ کہ اللہ ان کو راہ ہدایت دکھا کہ یہ مجھے نہیں جانتے یا نہیں پہچانتے۔

اور دوسری طرف منتظر یثرب، اپنی خاموش آنکھوں میں یہ امید لیے کہ ہادی اعظم وشفیع المذنبینؐ مجھے اپنی معطر ومنور سانسوں سے مدینۃ النبی بننے کا شرف بخشیں گے اور اپنے قدم مبارک میرے سینے پر

رکھ کر مجھے جنتوں سے زیادہ معزز اور پروقار بنادیں گے۔

معراج نوید سحر تھی مدینہ کی منتظر جنت کے لیے اور رہتی دنیا کے مومنین کے لیے۔ یہ نہ صرف پیغمبر اعظم و آخرؐ کے لیے رب لاشریک وحدہ ذی الجلال والاکرام سے ملاقات کا شرف اور اسرار و رموز اور حقائق خفیہ کا کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کا موقع تھا، بلکہ تمام انسانوں کے ان کے اعمال کے مطابق ان کے آخری انجام کی تصویر کشی اور ایک مکمل اور آخری اسلامی نظام و سماج کے اصولوں کا تحفہ عطا کرنے کا مرحلہ بھی تھا۔

اللہ رب العزت نے آپ کو افق اعلیٰ پر بلا کر سب سے اعلیٰ مرتبہ سے نوازا اور آپ کے الخلیل الاعظم، الحبیب الاکرم، المخصوص باعلی المراتب والمقامات الموید باوضح البراہین والدلالات اور المنصور بالرعب والمعجزات الجوہر الشریف الابدی والنور قدیم سرمدی المحمود فی الایجاد والوجود، شاہد اعظم، شہود نور کل شی، وہداہ سر کل سیر وسناہ الذی شققت منہ الاسرار وانفلقت منہ الانوار، سر باطن، نور ظاہر، سید کامل، الحق المبین، سید المرسلین، خاتم النبیین اور امام المتقین اور حبیب رب العالمین، شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین، حامل خلق عظیم، اشرف الحقائق والانسانیۃ، طور تجلیات احسانیہ اور مہبط اسرار رحمانیہ اور واسطۃ عقد النبیین اور مقدم جیش المرسلین اور افضل الخلائق اجمعین، شاہد اسرار الازل اور مشاہد انوار السابق الاول، ترجمان لسان القدم اور منبع علم و حکم اور روح جسد الکونین ہونے کا اعلان فرمایا۔

یہ ایک بین حقیقت ہے کہ ہر پیغمبر کو اپنے مرتبہ کے مطابق اللہ نے غیبی حقائق کا مشاہدہ کرایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو **ملکوت السماوات والارض** کا مشاہدہ کرایا گیا، حضرت موسیٰ کو ایک نور افگن درخت کی اوٹ سے **انی انا اللّٰہ** کہہ کر ہم کلامی سے سرفراز کیا گیا۔ لیکن ارض وسماء کے حدود سے بہت آگے عرش اعلیٰ پر آپؐ کو اپنے دربار میں بلاکر **السلام علیک یا ایھا النبی** کے اس مرتبہ عالی پر سرفراز کیا، جس کا تصور ہی ناممکن ہے۔ اسی لیے عاشق رسول علامہ محمد اقبال نے فرمایا:

چیست معراج انقلاب اندر شعور (جاوید نامہ)

یا

ہے سرسرا پردۂ جاں نکتۂ معراج (ضرب کلیم)

یہ انتہائی منزل اوج وارتقاء ہے جس سے آگے کسی ارتقاء کا تصور ہی نہیں ہوسکتا۔ یہ تقرب

الٰہی کی وہ انتہائی منزل ہے جہاں ملائکہ مقربین کا بھی گزر نہیں۔

آیات الٰہی سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ اللہ نے ایک وقت معینہ پر اپنے برگزیدہ بندے جس کے لیے کلام پاک میں عبدہ کا لفظ استعمال ہوا ہے کو ملاقات کے لیے بلایا اور اس سفر کو 'اسریٰ' کہا گیا۔

'عبدہٗ' اللہ کے ساتھ حضور رسالت مآب کے غایت درجہ اختصاص ، غایت درجہ محبت اور کمال درجہ عبدیت کی دلیل ہے اور اس لفظ کے ذریعہ اللہ نے آپؐ کو ساری خدائی میں ممیز کر دیا۔

یہ ایک سفر تھا جو رات میں کرایا گیا۔ کعبہ سے شروع ہو کر عرش اعلیٰ پر ختم ہوا۔ اسرا کے معنی شب میں سفر کرنے کے ہیں اور یہ واقعہ 'سفر خواب نہیں تھا بلکہ ایک حقیقت تھا جو جسد عنصری کے ساتھ پیش آیا۔ اگر یہ خواب ہوتا تو لفظ اسرا کا استعمال ہی نہ ہوتا۔ ایسا کرنا یا کہنا ایک منطقی اور لسانی تناقض ہے۔

دوسرا اہم نکتہ ان آیات بینات کی ابتداء ہی میں لفظ ''سبحان'' کا استعمال ہے جو کسی انتہائی تعجب خیز اور ''امر عظیم'' کے لیے بولا جاتا ہے۔ اگر معراج خواب میں ہوتا تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے۔

اور اگر حضور رسالت مآبؐ ایک خواب کی حیثیت سے اس واقعہ کا اظہار فرماتے تو مشرکین مکہ اس کی مخالفت کیوں کرتے اور کیوں آپ کا مذاق اڑاتے؟ اس حقیقت کا اظہار اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ جب آپ نے اپنی چچازاد بہن حضرت ام ہانیؓ سے اس واقعہ کو بیان فرمایا تو آپؓ نے اس خوف سے کہ کفار و مشرکین آپؐ کا مذاق اڑائیں گے اور آپؐ کی تکذیب کریں گے، اس واقعہ کے اظہار کرنے سے منع فرمایا۔

یہ ایک ایسا انتہائی انوکھا واقعہ تھا جس کی مثال تاریخ عالمین وانسانیت میں کہیں نہیں ملتی۔ اسی لیے اس واقعہ کو سن کر بعض کمزور ایمان والے نو مسلم مرتد ہو گئے۔ اگر معراج بیداری میں ایک امر واقعہ نہیں ہوتا بلکہ خواب ہوتا تو کفار و مشرکین اس پر تعجب کر کے آپ سے امتحان کے طور پر مسجد اقصیٰ کا حال کیوں پوچھتے؟ کلام پاک کی آیات جو لفظ ''سبحان'' سے شروع ہوتی ہیں نہ صرف اس بات کا اظہار کرتی ہیں کہ یہ انتہائی انوکھا امر واقعہ ہے بلکہ اللہ کی انتہائی پاکیزگی کا بھی اظہار کرتی ہیں۔ لفظ سبحان کے معنی ہی تمام عیوب اور کمزوریوں سے پاک و منزہ ہونے کے ہیں۔ اللہ کی ذات سبحان ہے

اور یہ لفظ اس بات کو بھی ظاہر کرتا ہے کہ وہ قادر مطلق omnipotent، ہمہ وقت ہمہ جا موجود omnipresent اور ہمہ دان عالم وخبیر omniscient ہے۔ اور وہ اس بات پر قادر ہے کہ اپنے بندے کو خانہ کعبہ سے مسجد اقصیٰ اور پھر عرش اعظم تک لے جائے اور وہاں سے واپس زمین پر لے آئے۔ اگر وہ اس بات پر قادر نہیں تو اس کی ہمہ دانی، ہمہ جائی اور قدرت کاملہ ایک بے معنی بات بن جاتی ہے۔

یہ معراج جسمانی تھی، کیوں کہ اگر یہ روح کی معراج ہوتی تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ روح نے جسد عنصری کو چھوڑ دیا تھا۔ روح جسم کو چھوڑ دے تو انسان مردہ کہلاتا ہے اور انسان ایک بار مرجائے تو اس دنیا میں اس کی واپسی نہیں ہوتی۔

جسم روح کے بغیر حرکت سے محروم ہے اور روح جسم کے بغیر ایک روح نہ کہ ایک وجود یا 'عبد' کیونکہ 'عبد' صرف روح نہیں بلکہ جسم و روح کے مجموعے کا نام ہے۔

''رویا'' کو خواب کے معانی میں لینا کسی درجہ میں اور کسی طرح صحیح نہیں ہے اور اسریٰ کے معانی شب میں چلنے اور سفر کرنے کے ہیں اور معراج کے معنی عروج بلند ہونے اور چڑھنے کے ہیں یہ تینوں لفظ ایک دوسرے سے مربوط ہیں اور اس حقیقت کے مظہر ہیں کہ آپؐ رات میں ایک انتہائی سفر پر گئے۔ آپؐ نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیوں کا مشاہدہ کیا اور ایسے انوار و تجلیات آپؐ پر پڑیں کہ جن کی تعبیر انسانی عقل کے بس کی بات نہیں۔ ان مشاہدات وانوار و تجلیات کی کلام پاک میں کوئی تفصیل نہیں دی گئی اور اس کی ضرورت بھی نہیں کیونکہ الفاظ ان کا بیان کرنے سے اور ہماری عقل ان کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ یہ نشانیاں ان نشانیوں سے بالاتر ہیں جن کا مشاہدہ آفاق وانفس میں ایک صاحب نظر کو ہوتا ہے۔

''رویا'' کو خواب کے مفہوم میں لینا کسی درجہ میں اور کسی طرح صحیح نہیں۔ یہ رویا نہایت واضح، غیر مبہم اور روشن صورت میں کفلق الصبح ہوتی ہے جس پر نبی کو پورا شرح صدر اور اطمینان قلب ہوتا ہے۔ رویا کا مشاہدہ چشم سر کے مشاہدہ سے زیادہ قطعی، زیادہ وسیع اور اس سے ہزارہا درجہ عمیق اور دوررس ہوتا ہے۔ آنکھ کو مغالطہ پیش آسکتا ہے لیکن رویائے صادقہ مغالطہ سے پاک ہوتی ہے آنکھ ایک محدود درجہ میں دیکھ سکتی ہے لیکن رویائے صادقہ بیک وقت نہایت وسیع دائرہ پر محیط ہوجاتی ہے۔ آنکھ حقائق

ومعانی کے مشاہدے سے قاصر ہے اس کی رسائی مرئیات تک ہے لیکن رویا معانی وحقائق اور انوار و تجلیات کو بھی اپنی گرفت میں لے لیتی ہے۔ یہ بیان صاحب تدبر قرآن کا ہے۔ لیکن مجھے اس پر ایک اعتراض ہے اور یہی اعتراض معتزلہ پر بھی ہے حالاں کہ معتزلہ کی تشریحات وتعبیرات اور اطلاقات دوسرے ہیں۔ میرا ایمان اس بات پر ہے کہ اللہ نے اپنے عظیم نبی کو جسد عنصری کے ساتھ بلایا اور جسد عنصری میں آنکھیں شامل ہیں اور اس عظیم نبی نے جو کچھ دیکھا وہ اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھا۔

کسی شے کو دیکھنے کے لیے جن قوتوں اور معقولات کا ہونا ضروری ہے وہ تین ہیں (۱) مکان Space (۲) زمان Time (۳) سمت Direction لیکن واقعۂ معراج ان تینوں شرائط سے بالا ہے۔ کیونکہ یہ واقعہ عقل انسانی کو عاجز کرنے والا ہے۔

اور ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ اللہ اس بات پر قادر ہے کہ انسانی جسم کو ایسی قوت عطا کرے کہ وہ انوار وتجلیات کا مشاہدہ کرسکے۔ روز حشر اللہ سبحانہ وتعالیٰ انسان کو دوبارہ زندہ کرکے اپنے دربار میں بلائے گا اور اس کے اعمال کی بنیاد پر اس کے مستقبل کا فیصلہ ہوگا۔ وہ جنت یا جہنم میں جائے گا لیکن وہاں صرف اس کی روح نہیں جائے گی بلکہ اس کا جسد عنصری بھی ساتھ ہوگا اور وہ اس تجربے سے پہلے بھی گزر چکا ہے۔ کیا زمین پر آنے سے پہلے وہ جنت میں نہیں تھا۔ قرآن پاک تو اس بات کا برملا اظہار کرتا ہے کہ تخلیق کے بعد آدم جنت میں تھا اور اسے وہاں شجر ممنوعہ کے پاس جانے سے منع کردیا گیا تھا اور اس حکم عدولی کے نتیجے میں اسے زمین پر بھیج دیا گیا حالانکہ یہ اللہ کی حکمت کاملہ نے پہلے ہی طے کیا تھا اسی لیے اللہ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین پر اپنا خلیفہ بھیجنے والا ہوں۔

ہم اس حقیقت کو فراموش کیوں کرتے ہیں کہ پیغمبران عظام بالعموم اور پیغمبر اعظم وآخرؐ بالخصوص وجود کامل ہیں۔ اللہ نے انھیں علم کامل، عصمت اور وجود مطہر سے نوازا ہے اور ان پر بہت سی ان شرائط کا اطلاق ہی نہیں ہوتا جو عام انسان کے لیے ضروری ہیں۔ ہر پیغمبر کا اپنا درجہ ہے اور پیغمبر اعظم وآخرؐ انتہائی عظیم درجہ کے حامل ہیں حضرت موسیٰؑ نے اپنی آنکھوں سے تجلی الٰہی دیکھنی چاہی، لیکن وہ اس کی تاب نہ لاسکے۔ تاب نہ لانا ایک بات ہے اور اگر آنکھ سے دیکھنا ناممکن ہوتا تو ایک معصوم اور عظیم پیغمبر اس کی درخواست کیوں کرتے اور سچ تو یہ ہے کہ نبی اعظم وآخرؐ کو معراج کی رات جو مشاہدے کرائے گئے۔ وہ سب آپ نے کیے اور قرآن پاک ان مشاہدات کا برملا اظہار یوں کرتا ہے کہ:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی۔ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی (النجم: ۱۷-۱۸)

نگاہ نہ چوندھیائی، نہ حد سے متجاوز ہوئی اور اس نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔

یہ قرآنی آیات جسمانی معراج پر صراحت ہیں کیونکہ آنکھ روح نہیں، جسم ہے۔ آنکھ زندہ جسم میں دیکھتی ہے۔ روح روح ہے اور جب تک روح جسد عنصری میں موجود ہے وہ زندہ ہے۔ یوں وہ ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں۔ ایک مثال سے اس حقیقت (رویا یا معراج) کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

ہم کھلی آنکھ سے سورج کو نہیں دیکھ سکتے، ہماری آنکھیں فوراً چوندھیا جاتی ہیں اور کبھی کبھی اگر اثر زیادہ ہوجائے تو آنکھیں روشنی یا دیکھنے سے محروم ہوجاتی ہیں۔ لیکن ایک طاقتور دوربین کے ذریعہ ہم سورج کیا اس سے زیادہ بڑے اور روشن ستاروں کو دیکھ سکتے ہیں۔

ہم یہ بات کیوں نہیں سمجھتے کہ جب ہم اپنے مشینی نظام، علم اور عقل سے اپنے لیے ایک وسیع وعمیق دیکھنے کی قوت پیدا کرسکتے ہیں تو کیا ایک قادر مطلق رب کائنات جس کے اقتدار، قوت، علم اور کبریائی کی کوئی حد ہی نہیں اس بات پر قادر نہیں کہ وہ ہماری آنکھوں کو اپنے مشاہدات کی قوت عطا کرے۔ معقولات فہم کا تعلق اس دنیا سے ہے اس سے آگے لاکھوں منزلیں ہیں، ان کے ادراک کے لیے یہ معقولات بے معنی بن جاتی ہیں۔

زمانہ وسطیٰ کے علوم بہت محدود تھے انسان کو روشنی اور اس کی رفتار وقوت کا کوئی علم ہی نہیں تھا۔ اب تو سائنس نے بہت ترقی کی، لیکن اس کے باوجود میں یہ سمجھتا ہوں کہ معراج اور ''ذات نبیؐ'' کے لیے یہ رفتار بے معنی ہے۔ روشنی کی رفتار ۱۸۰۰۰۰ ہزار میل فی سکنڈ ہے، اگر ہم اس رفتار سے بھی سفر کریں تو ہم سورج تک ۸ منٹ میں پہنچ جائیں گے۔ لیکن ایک ایسے سفر کے لیے جس میں ''انسان کامل'' لاکھوں کہکشاؤں کو پھلانگ کر عرش اعلیٰ تک جائے اور وہاں سے واپس اپنی آرام گاہ میں پہنچ جائے کس رفتار کی ضرورت ہے اور یہ سفر جن چند لمحوں کا تھا۔ وہ لمحات کتنے لاکھوں زمینی وقت پر محیط تھے۔ کیا انسانی عقل اس کا اندازہ کرسکتی ہے؟

بس پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو لے گئی اور عظیم ہے وہ نبی جسے تمام انبیاء ومرسلین علیہم السلام میں اس اعزاز کے لیے اللہ نے منتخب کیا۔

موسیٰ ز ہوش رفت بیک جلوہ صفات
تو عین ذات بہ نگری در تبسمی

معراج کوئی کہانی یا اسطور نہیں یہ ایک تاریخی واقعہ ہے۔ تاریخ انسانی کا سب سے بڑا واقعہ۔ ایک ایسا واقعہ جس کی انسانی تاریخ اور انسانی ارتقاء میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔ اور ایک ایسا سفر جو زمان ومکان کی حدوں کو پھلانگتا ہوا، زماں خالص میں داخل ہوا۔ ایک ایسی حد اور ایسے جہاں میں، جہاں کوئی زماں ومکان نہیں یہ تو ایک ناقابل تقسیم آن مطلق ہے۔ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے جو تاریخ اور زمان ومکان کے ایک نکتہ پر شروع ہوا لیکن یہ سارا واقعہ اپنے آپ میں مابعد التاریخ سے منسلک ہے۔ صاحب معراج زمان خالص (Pure time) سے واپس زماں مسلسل (Serial time) میں تشریف لائے۔ ایک ایسا سفر جس میں فرد کی تعمیر کے ساتھ ساتھ آخری انسانی تہذیب اور سماج کے لیے قوانین واصول عطا کیے گئے۔

یہ روحانیت کی وہ منزل ہے جو صرف محمد عربیؐ کو عطا کی گئی اور یوں آپ کی مصطفائیت کو عیاں وبیان کیا گیا۔ لیکن ان تمام حیثیتوں کے باوجود یہ ایک واقعہ ہے اسطور یا کہانی نہیں اور یہ اس بات کا مظہر ہے کہ نبی آخر واعظم محمد مصطفیؐ ایک انسان ہیں دیوتا یا خدا نہیں۔

وہ انسان کامل ہیں، خلیفۃ اللہ ہیں، کلیم اللہ ہیں خاتم النبیین والمرسلین وشفیع المذنبین ہیں اور انسانی تاریخ کا سب سے بڑا سچ اور سب سے بڑی قدر اور انسانوں کی نہ ختم ہونے والے مستقبل کو طے کرنے والی عظیم شخصیت کیوں کہ آپؐ سب کے لیے مبشر، ہادی، نذیر اور سب پر گواہ بنائے گئے۔

کافرین ومشرکین ہمیشہ رسولوں کے انسان ہونے ہی پر معترض تھے۔ اور ان کا ہمیشہ یہ کہنا تھا کہ یہ ہم جیسے انسان، کیسے پیغمبر ہیں اور جناب رسالت پناہؐ کی صفات عالیہ کو دیکھ کر ان کے سردار یہ کہتے تھے کہ اگر یہ خدائی کا دعویٰ کریں تو ہم انہیں مان لیں گے لیکن رسول نہیں مانیں گے۔ اسی لیے انھوں نے ہر زمان اللہ کی زمین پر جھوٹے خدا اور دیوی دیوتا گھڑ لیے۔ جن کی کوئی انسانی، علمی اور تاریخی حقیقت وحیثیت نہیں اور ان کے ساتھ ایسی کہانیاں چسپاں کر دیں کہ عقل اور شرم وحیا اور علم و حکمت انہیں سن کر شرمندہ ہیں۔ ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے، یہی یونان، عراق، مصر اور ہندوستان کے اسطور اور مشرکانہ مذاہب کی حقیقت ہے۔

واقعہ معراج کو سمجھنے کے لیے وجود ومقام پیغمبر کو سمجھنا ضروری ہے۔ لیکن اس وجود مقدس کو

سمجھنے میں معقولات فہم Categories of Undustanding بے معنی بن جاتی ہیں۔ اسی لیے آپؐ کی ذات اقدس پر ایمان لانا پڑتا ہے۔ اور یہ ایمان بالغیب کا لازمی حصہ ہے۔ کیونکہ پیغمبر انسان ہونے کے باوجود اپنے وجود، روح وجسم اور شعوری وروحانی بلندی میں تمام انسانیت سے اعلیٰ وارفع اوریکسر الگ ہے۔ قرآن پاک نے واقعہ معراج کو بیان کرنے کے لیے جس زبان کا استعمال کیا ہے وہ انتہائی mysterious پر اسرار، استعاراتی اور علامتی ہے۔ سورۃ النجم کی آیات جن اسرار ورموز وحقائق کا بیان کررہی ہیں۔ انہیں ایک صاحب ایمان دل کی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے اور محسوس کرسکتا ہے۔ لیکن عام زبان میں یہ انتہائی ناقابل تشریح ہیں اور ان کا بیان ممکن نہیں۔ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے معراج کی اسی انتہائی نوعیت جو تمام معقولات سے باہر کی ہے طرف اشارہ کیا ہے اور اسی اشارہ پر اقبال نے خطبات میں شعور ولایت ونبوت کے حوالے سے انتہائی اہم فلسفیانہ بحث کی ہے اور یہ اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ معراج ایک ایسا واقعہ اور ایک ایسی حالت ہے جسے پیغمبر تو سمجھ سکتا ہے کوئی دوسرا نہیں۔ میں یہ کہتا ہوں کہ جملہ پیغمبران عظام میں یہ صرف محمد عربی خاتم النبیین والمرسلینؐ ہیں جنھوں نے بہ جسم وروح اپنی کھلی آنکھوں سے ان حقائق واسرار ورموز کو دیکھا۔ حضرت موسیٰؑ نے تو تمنا ضرور کی، لیکن رب کے نور کی ایک جھلک ہی سے بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

معتزلہ مذاہب اسلامیہ میں انتہائی درجہ عقلی مکتب فکر ہے اور اس کا اصل اصول عقل کی کلی بالادستی ہے۔ اور اس کے مطابق تمام مابعد الطبیعاتی، سیاسی، اخلاقی، مذہبی اصولوں اور اسرار ورموز کی فہم اور تشریح کی منہاج اور کسوٹی عقل ہے۔ معتزلہ نے اس حقیقت کو نظر انداز کردیا کہ دین کی بنیاد وہ علم اور منہاج ہے جو وحی کے ذریعہ ملتا ہے۔ دین کے بنیادی اصول ایمان بالغیب کے متقاضی ہیں۔ عقل ان کی توجیہ تو کرسکتی ہے لیکن انہیں کلی طور پر ثابت نہیں کرسکتی۔ اس حقیقت کا اظہار غزالی نے بھی کیا اور کانٹ نے بھی۔ اشاعرہ نے اس نکتہ پر ایک طویل بحث کی۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ حقائق کے ادراک کے لیے انسان کو عقل کے علاوہ حواس، وجدان اور وحی کے ذرائع بھی عطا کیے گئے۔ عقل کی غیر مشروط اور کلی حیثیت کو واحد منہاج علمی تسلیم کرنے سے جو خطرات سامنے آتے ہیں وہ اظہر من الشّمس ہیں اور اسی وجہ سے معتزلہ اور دیگر عقل پرستوں نے خدا کے صفات، میزان، پل صراط اور فرشتوں کا انکار کیا۔ معراج کو منامی یا خواب بتانا بھی اسی کا نتیجہ

ہے، حالانکہ قرآن کی آیات اسے ایک حقیقت امر اور جسمانی قرار دیتی ہیں۔

معتزلہ اور عقل پرستوں کا کہنا یہ ہے کہ کسی شے کو دیکھنے کے لیے زمان و مکان اور سمت (Time, Space and Direction) اور دیگر معقولات کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن وہ یہ سمجھنے سے قاصر رہے کہ یہ معقولات شعور کی اعلیٰ سطح پر بے معنی بن جاتے ہیں۔ ان معقولات کا تعلق محض حواس اور عقل عام سے ہے۔ عقل عملی Practical reason وجدان اور وحی ان کے دائرہ کار میں نہیں آتے۔ یہ تو محض ابتدائی یا عامی ذرائع فہم ہیں۔ خدا، فرشتے، حشر، میزان، ان سے بالا و برتر ہیں۔ ٹھیک اسی طرح وجود و منصب رسالت اس کے دائرے میں نہیں آتا۔ پیغمبر انسان ہونے کے باوجود کائنات میں سب سے اعلیٰ وارفع اور مکمل وجود ہے۔

روح بھی ان معقولات کی حد میں نہیں آتی۔ کیونکہ یہ امر ربی ہے۔ ایک راز اور غیر مرئی حقیقت ہے جس کا ادراک حواس اور عقل سے ممکن ہی نہیں۔ وہ یہ نہ سمجھے کہ جب ان کا اصل وجود یعنی روح ان دائروں میں نہیں آتی، تو دیگر اعلیٰ مابعد الطبیعاتی حقیقتیں ان دائروں میں کیسے آسکتی ہیں۔

کلام پاک جسے معتزلہ مخلوق مانتے ہیں رہتی انسانیت کے لیے آخری نسخہ کیمیا ہے۔ یہ آفاقی کتاب ہے اور اس کی آفاقیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ انسانیت علوم میں جتنی ترقی کرتی جائے گی، اس کے اسرار و رموز اور معانی نئی حقیقتوں کے ساتھ واضح ہوتے جائیں گے۔ بہت سی آیات کو جو اس وقت جدید علوم کی روشنی میں واضح ہو رہی ہیں گزرے ہوئے ادوار میں اس طرح اور ان حقائق کے ساتھ سمجھنا ممکن ہی نہیں تھا کیونکہ انسان جدید علم حیات (Biology) اور طبیعات کے بہت سے مہتم بالشان مسائل جن کا تعلق علم نسواں (Gynaecology)، مکان و زمان (Time and Space)، برقیات (Electromagnetics)، علوم سمندر (Oceanography)، جواہر و ذرات (AtomandNano Technology) اور دوسرے علوم سے ہے، واقف ہی نہ تھا۔ قرآن پاک کی عظمت یہی ہے کہ یہ ہر دور میں انسان کی رہنمائی کرے گا اور ہر دور میں اس میں مخفی اسرار و رموز نئے معانی اور حقائق کے ساتھ سامنے آتے رہیں گے۔

لیکن انسانی علم اور فراست کتنی ہی اونچائیوں پر پہنچ جائے وہ اسرار الٰہی اور علم الٰہی پر گرفت سے ہمیشہ قاصر رہے گی۔ یہ حقیقت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ ایمان بالغیب انسان کی دائمی

ضرورت ہے اور واقعہ معراج کا تعلق بھی ان ہی امور سے ہے۔

تاریخ تصوف اسلام کی معتبر روحانی شخصیات میں منصور حلاج، غزالی اور ابن عربی نے معراج کے واقعہ کا جس طرح بیان کیا ہے اور اس کی تفسیر کی ہے، میں یہاں اس سے صرف نظر کرتے ہوئے عظیم ولی سید الاولیاء حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے تصور معراج کو سامنے لا رہا ہوں۔ جس کی تصویر کشی کبریت احمر میں کی گئی ہے۔ کبریت احمر میں آپؐ کی صفات عالیہ کے ذکر کے درمیان واقعہ معراج کا ذکر یوں ہوتا ہے:

و اسریت به لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ الی السموات العلی الی سدرة المنتهیٰ الی قاب قوسین او ادنیٰ وارینه الآیة الکبریٰ وانلته الغایة القصویٰ واکرمته بالمخاطبة والمراقبة والمشافهة والمشاهدة والمعاینة بالبصر خصصته بالوسیلة العذری والشفاعة الکبری یوم الفزع الاکبر فی المحشر وجمعت له جوامع الکلم وجواهر الحکم وجعلت امته خیر الامم	اور سیر کرائی تونے ان کو رات کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک (اس سے آگے پھر) بلندی آسمان اور سدرۃ المنتہیٰ تک اور اس جگہ تک کہ کمان کا دو گوشہ تھا یا اس سے بھی کم اور دکھائی تونے ان کو نشانی بڑی اور ان کو تونے مرتبہ نہایت تک پہنچا دیا اور اکرام فرمایا تونے ان کو ہم کلامی سے اور نگہبانی سے اور روبرو ہونے سے اور بہ چشم ظاہری یا ولی دیکھنے سے اور ظاہری آنکھوں سے دیکھنے سے اور مخصوص کیا تونے ان کو ساتھ مقام اور وسیلۂ بزرگ کے اور شفاعت کبری کے جس دن خوف بہت بڑا ہوگا قیامت میں اور جمع فرمایا تونے اس کے لیے کلام جامع اور حکمتوں کے موتی اور اس کی امت تونے کل امتوں سے بہتر بنائی۔

زمانہ جدید میں علامہ محمد اقبال نے معراج کے واقعہ کو کئی اہم زاویہ ہائے نگاہ سے دیکھا ہے۔ اس کی بحث معراج کی حیثیت اصلی اور اس کے مختلف ابعاد کو سامنے لاتی ہے جو پوری اسلامی تاریخ میں کلی طور پر مختلف ہے۔ کسی بھی مسلمان فلسفی ان نکات کو موضوع بحث نہیں بنایا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانے میں طبعیات اور نفسیات اس درجہ ترقی یافتہ نہیں تھی۔

اسلامی ثقافت کی روح کے عنوان سے خطبہ میں واردات مذہبی، شعور نبوت و ولایت اور ختم نبوت جیسے اہم نکات پر بحث کی ابتدا اقبال نے حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے الفاظ میں کی ہے۔

محمد عربی بر فلک الافلاک رفت و باز آمد
واللہ اگر من رفتمے ہرگز باز نیامدے

معراج کو اقبال ایک تخلیقی عمل مانتے ہیں۔ اور اس کا مقصد یہ ہے کہ نبی، عالم بالا سے واپس آ کر زمانے کی رو میں داخل ہو کر ان قوتوں پر جو تاریخ عالم و انسانیت کی صورت گر ہیں غالب آ کر ایک نئی اور با مقصد اور ایک نئی اور حرکی تہذیب و تمدن کی تخلیق کرتا ہے۔

اقبال اس تجربے کو زمان و مکان سے ماورا قرار دیتے ہیں، لیکن اس کے باوجود یہ ایک تکوینی عمل ہے۔ اس کے خیال میں آئنس ٹائن کے نظریہ اضافیت میں زمانہ ''اپنی خصوصیت مرور کھو بیٹھتا ہے اور ایک پُراسرار طریق پر مکان ہی میں مدغم ہو جاتا ہے''۔

اقبال تاریخ کو ایک مسلسل حرکت مانتے ہیں جس کی نوعیت تخلیقی ہے۔

یوں اقبال شعور نبوت، ختم نبوت اور معراج کو تاریخ یعنی مسلسل تخلیقی عمل سے مربوط کرتے ہیں۔ میرے خیال میں اقبال نے تاریخ عالم کو مابعد التاریخ سے الگ نہیں کیا بلکہ انہیں مربوط اور ایک دوسرے میں شامل رکھا ہے اور اس کی وجہ قرآن کی یہ آیت عالی شان ''کل یوم ھو فی شان'' ہے۔ انسان خلیفۂ خدا ہے۔ پیغمبر اعظمؐ کائنات کا محور ہیں اور حقیقی خلیفہ ہیں۔ اس لیے آپؐ پر نبوت کا خاتمہ لازمی ہے۔ اور یہ ذات اقدس روحانیت و حقائق کے ادراک و عرفان کے انتہا کی حامل ہے۔ یوں کائنات اور انسان اس عرفان سے یوم آخر تک مستفید ہوتی رہے گی۔

معراج شعور انسانی میں ایک انقلاب برپا کر دیتا ہے۔ اور یہ واقعہ اور تجربہ جو انتہائی اور کلی روحانی تبدیلی کا حامل ہے اور حقائق عرفان کو منکشف کرتا ہے، زمان و مکان کی حدود کو ختم کر دیتا ہے اور تخلیق یا یہ عمل عرفان ذات و صفات ایک نا قابل تقسیم آن واحد یعنی زمان خالص میں داخل ہو جاتا ہے۔

یوں انسان کی روحانیت کی تاریخ مابعد التاریخ کے پہلے نکتہ **الست بربکم** سے شروع ہو کر **سبحان الذی اسری بعبدہٖ** کی مابعد التاریخی عمل میں داخل ہو جاتی ہے۔

اقبال کے خیال میں '' ہے سرِّ سرا پردۂ جاں نکتۂ معراج'' اور یہ وہ انتہا درجہ پرواز انسانی ہے

جو کائنات کو بے معنی بنا کے رکھ دیتی ہے کیونکہ وہ عرفان ذات واسرار ورموز وحقائق کے اس نکتہ عروج پر پہنچ جاتا ہے جہاں زمان ومکان اور تمام معقولات فہم Categoriesofunderstanding بے معنی بن جاتے ہیں اور وہ ایک نئی کائنات کو اپنی چشم کشا سے دیکھ لیتا ہے جو محض زمان محض اور حرکت ہے یعنی تخلیقی عمل۔

از شعور است این کہ گوئی نزد و دور
چیست معراج انقلاب اندر شعور
سبق ملا ہے معراج مصطفیٰ سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

ظاہر ہے کہ معراج تمام زمان ومکان کی قیود اور تجربات سے بالا اور زمان خالص کا مسئلہ ہے اور جدید طبیعات اپنی تمام جولانیوں کے باوجود اسے سمجھانے کی متحمل نہیں۔ معراج رفتار وبلندی کا مسئلہ ہے۔ جدید طبیعات ابھی تک روشنی کی رفتار کو حتمی مان رہی ہے جو تین لاکھ میل فی سیکنڈ ہے، لیکن معراج انتہائی حیرت میں ڈالنے والی رفتار سے بھی آگے کی رفتار کا مسئلہ ہے۔ تمام کائنات کو چند لمحوں میں پھلانگ کر، تمام اسرار ورموز کا مشاہدہ اور رب ذوالجلال سے ملاقات کے بعد اس سرعت سے واپسی کہ دروازے کی کنڈی ہل رہی ہے۔ کیا انسانی علم اور ذہن اس سفر اور رفتار کی حقیقت کو بیان کرسکتا ہے، سمجھ سکتا ہے؟ سوال یہ ہے کہ کیا اس وقت جب یہ واقعہ پیش آیا تاریخ اور زمان ومکان کی رفتار کو روک دیا گیا؟ ہوا کیا تھا، یہ بھی ایک راز ہی ہے جسے صرف وہ روح سمجھ سکتی ہے۔ جو عشق الٰہی میں جل کر زندہ ہو چکی ہے۔

ہر گز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق (حافظ)

ایک مفکر، مصلح یا انقلابی اپنے زمانے کے ابعاد اور حالات اور مسائل کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد ان کا حل تلاش کرتا ہے۔ وہ نئے تصورات اور منہاج کے ساتھ انسانی سماج کو بدلنے کی کوشش کرتا ہے۔

سرسید کے سامنے ایک مضمحل اور پراگندہ قوم تھی، جس نے ایک ہزار سال تک برصغیر پر حکومت کی، اسے ایک نئی اور حرکی تہذیب عطا کی، اسے ایک مرکزی حکومت اور مضبوط سیاسی، سماجی اور اقتصادی نظام دیا۔ لیکن زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ افتراق، تعصّبات اور اخلاقی اضمحلال کا شکار

ہوئی اور نتیجتاً مغربی سامراج اور مشرکین کی منظم قوت کے سامنے پس پا اور شکست سے دوچار ہوئی۔

سیاسی اور عسکری شکست نے اسے مذہبی، اخلاقی، سماجی اور اقتصادی طور پر مضمحل کر دیا۔اسی شکست کا نتیجہ اس کی عقل کے استعمال سے انحراف اور وحی کی نئے زمانے کے حالات کے مطابق حرکی تشریحات سے خوف کی صورت میں ظاہر ہوا۔

ان حالات میں سرسید جیسے ملی درد کے حامل بیدار ذہن وروح عبقری کے لیے حالات کی فہم اور ملت کو نئی زندگی دینے کے لیے بہت وسیع تناظر میں فیصلہ کن اقدامات اور ان کے مذہبی اخلاقی، سیاسی اور تہذیبی بنیادوں، اصولوں اور تعلیمات کی ایک نئی اور حرکی تشریح کی ضرورت تھی۔

سرسید نے مسلمانوں کے فکری وعملی جمود کو توڑنے کے لیے ان میں عقلی اور سائنسی مزاج اور منہاج پیدا کر کے ان کی ایک نئی تہذیبی حرکت عمل کی طرف رہنمائی کی۔انہوں نے ان ہی مردہ خیالات اور مذہب وتہذیب کی غیر عقلی ومنفی تشریحات کے دلدل سے باہر نکالنے کے لیے کلام پاک کی نئی تشریح وتعبیر کی جس سے اختلاف کیا جاسکتا ہے، لیکن اس کی ضرورت اور نتائج سے انکار ممکن نہیں اور ایسا سوچنا بھی کفران نعمت سے کم نہیں۔

انہوں نے مسلمانان ہند کو کھوکھلے اور فرسودہ Mystical Modalities سے باہر لانے کی کوشش کی کیونکہ یہ تصوف عجم کی غلامی اختیار کر چکا تھا اور اس حقیقی روحانی تلاش وعمل سے دور جا پڑا تھا جس نے اسلام کی تہذیبی زندگی میں ایک قوت بھر دی تھی۔ظاہر ہے اجتماع انسانی ایک مردہ تصوف اور کھوکھلی روحانیت کا متحمل نہیں ہوسکتا جس کا واحد مقصد انسان کا استحصال اور اسے اپنے مقصد حیات سے دور کرنا ہے۔سرسید نے خطبات احمدیہ لکھ کر مغربی یلغار اور اس کی فریب کاریوں اور علمی جھوٹ کا جواب بھی دیا اور اس کا مقابلہ بھی کیا اور ایسا کرتے ہوئے ان کا سابقہ ان کمزور، نامعقول اور مزاج نبوت سے دور احادیث سے پڑا جنہیں عقل سلیم قبول کرنے کے لیے تیار نہیں اور جن کے بل پر مغربی استعمار اور مشرقی مشرکین نے ہر دور میں محسن انسانیت، خاتم النبیین، پیکر خلق عظیم، رحمۃ للعالمین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شبیہ دنیا کے سامنے اور ہی شکل میں پیش کرنے کی کوشش کی۔

سرسید کی حضرت ختمی مرتبت رسالت پناہ سے محبت اتنی شدید تھی کہ اس کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔انہوں نے اپنی بے پناہ اور تخلیقی وتعمیری وسعت فہم ونظر سے ان اتہامات کا جواب دینے کی

کوشش کی جو دشمنان رسالت نے لگائے۔ ولیم میور کی کتاب کا جواب اسی عشق کا والہانہ اظہار ہے۔ انہوں نے درایت کا ایک نیا سبق دیا۔

بایں ہمہ یہ حقیقت ہے کہ حدیث ہماری تہذیبی اور دینی زندگی کے لیے شاہ رگ کی حیثیت رکھتی ہے۔ چند کھوٹے سکوں کی وجہ سے تمام خزانے کو برباد نہیں کیا جا سکتا۔ رہا سر سید کی تشریحات کا معاملہ تو اس پر ایک وسیع تناظر میں غور کرنے کی ضرورت ہے۔ خطبات احمدیہ میں سر سید نے معراج کو خواب کہا ہے اور اس کے جسمانی ہونے سے انکار کیا ہے۔ حالانکہ قرآنی آیات اس کا ابطال کرتی ہیں۔ مجھے اس بات سے انکار نہیں کہ بہت سے صحابہ اور بعد کے کئی مفکرین اور شارحین قرآن وحدیث معراج کو خواب مانتے ہیں۔ لیکن اس سے قرآنی آیات سے انحراف کا جواز پیدا نہیں ہوتا۔

سورہ بنی اسرائیل اور سورہ النجم کی آیات اس حقیقت کا اظہار کرتی ہیں کہ معراج ایک امر واقعہ ہے نہ کہ ایک خواب۔ یہ آیات بہت گہری، پیچیدہ اور تہہ در تہہ اسرار و رموز کی حامل ہیں اور اس بات پر دال ہیں کہ معراج جسمانی ہے۔

خواب ایک کیفیت ہے۔ خواب میں انسان کیا دیکھتا ہے اور کیا کرتا ہے اس کے وجود پر کوئی سوال نہیں اٹھاتا۔ اس کی تعبیرات تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

لیکن حقیقت امر یا واقعہ پر یا اس کے وجود اور اس کے نتائج و مضمرات و معانی پر سوالات اٹھتے ہیں یا اعتراض کیے جاتے ہیں۔ اگر معراج خواب ہوتا تو قرآن پاک میں ان آیات کی موجودگی کا کیا جواز ہے۔

> کہ پاک ہے وہ جو لے گیا ایک رات اپنے بندے کو مسجد حرام سے دور کی اس مسجد تک جس کے ماحول کو اس نے برکت دی ہے تا کہ اسے اپنی کچھ نشانیوں کا مشاہدہ کرائے۔ (بنی اسرائیل: ۱-۲)

یا سورہ النجم کی یہ آیات بینات :

> نظر نے جو کچھ دیکھا دل میں اس نے جھوٹ نہ ملایا۔ اب کیا تم اس چیز پر اس سے جھگڑتے ہو جسے وہ آنکھوں سے دیکھتا ہے اور ایک مرتبہ پھر اس نے سدرۃ المنتہٰی کے پاس اس کو اترتے دیکھا جہاں پاس ہی جنت الماویٰ ہے۔ اس

وقت سدرہ پر چھا رہا تھا جو کچھ کہ چھا رہا تھا۔ نگاہ نہ چندھیائی، نہ حد سے متجاوز ہوئی
اور اس نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔ (النجم:۔۱۶۔۱۸)

یہ آیات بینات ایک سفر کا ذکر کرتی ہیں جو رات میں ہوا اور یہ سفر کچھ نشانیوں کا مشاہدہ کرانے کے لیے کرایا گیا۔ ان میں جنت الماوی اور سدرۃ المنتہیٰ کا ذکر ہے۔ جن کا زمین پر کوئی وجود نہیں اور ان میں اس بات کا برملا اظہار ہے کہ رب کی نشانیاں آپؐ نے کھلی آنکھوں سے دیکھیں اور آپؐ کی آنکھیں نہیں چندھیائیں۔

ان آیات میں اللہ کے آخری نبی ﷺ کے لیے اللہ نے ''عبدہ'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یہ اللہ سے آپؐ کی قربت، اور آپؐ کے عظیم مقام کی نشاندہی کرتا ہے۔ ہر پیغمبر کے لیے ایک مخصوص صفت کا اظہار کیا گیا ہے لیکن کسی کو اللہ نے ''عبدہ'' کہہ کر یاد نہیں کیا۔

اگر معراج ایک امر واقعہ نہ ہوتا بلکہ خواب ہوتا تو اس کے بارے میں مشرکین مکہ سوال کیوں اٹھاتے۔ کسی کے خواب پر کوئی کسی کو سچا یا جھوٹا نہیں کہتا اور نہ اس کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔

خواب کے ساتھ کسی کا اعتبار Authenticity وابستہ نہیں ہوتا۔ اگر پیغمبرؐ خدا یہ فرماتے کہ میں نے آج ایک خواب دیکھا اور اس میں ان حقائق اور اسرار و رموز کو دیکھا تو اس پر کسی کو سوال اٹھانے یا شک کرنے یا مذاق اڑانے کی ضرورت ہی نہ تھی لیکن مشرکین مکہ نے سوالات بھی اٹھائے اور مذاق بھی اڑایا۔

حد تو یہ کہ کئی صحابہ بھی ششدر و حیرت زدہ ہو گئے اور کچھ اسلام ہی سے نکل گئے۔ سوائے ابوبکرؓ کے جنہیں اس واقعہ کے بلا تردد سچ ماننے پر ''صدیق'' کا خطاب ملا۔

معراج تو عروج انسانیت کی انتہا ہے۔ اس کا تصور عام انسان کجا پیغمبر بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن حضرت ختمی مرتبتؐ کو یہ شان مصطفائی عطا کی گئی اور ایسا کیوں نہ ہوتا کہ آپؐ نور اول، وجہ تخلیق، اسرار النقط، سر اکبر، خلیفۂ حقیقی مبشر، نذیر و شاہد ازل و ابد اور محبوب الٰہی ہیں، جن کے چہرہ انور کی رب ذوالجلال قسم اٹھاتے ہیں۔

معراج عقل انسانی کو عاجز کرنے والا واقعہ ضرور ہے۔ لیکن یہ معجزہ نہیں۔ یہ تو ایک ایسا واقعہ ہے جو زمان و مکان ہی کیوں فہم کے تمام معقولات سے بالا ہے۔ اس پر ان کا اطلاق ہو ہی نہیں

سکتا۔میرا عقیدہ تو یہ ہے کہ اسلام کے بنیادی اصول وعقائد ایسے ہیں جو حقیقتاً ان معقولات سے بالا ہیں۔اسی لیے ان کے لیے ایمان بالغیب کا مطالبہ کیا گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ ایمان بالغیب ہی اصل ایمان واسلام ہے۔معراج بنیادی عقائد میں نہیں لیکن اس کی وقوع پذیری اسے تاریخ انسانیت وروحانیت میں مہتم بالشان بناتی ہے۔

حوالہ جات

(۱) ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر۔(۲) اصلاحی، امین احسن، تدبر قرآن۔(۳) اقبال، تشکیل الٰہیات۔(۴) تھانوی، محمد اشرف علی، بیان القرآن۔(۵) حقی، علامہ شیخ اسماعیل، روح البیان۔(۶) سرسید احمد خاں، خطبات احمدیہ۔(۷) شفیع، مفتی محمد، معارف القرآن۔(۸) طباطبائی، علامہ سید حسین، المیزان فی تفسیر القرآن۔(۹) علی، عبداللہ یوسف، دی ہولی قرآن۔(۱۰) مودودی، سید ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن۔(۱۱) نجفی، سید صفدر حسین، تفسیر نمونہ۔(۱۲) نقوی، سید العلماء السید علی نقی، تفسیر قرآن۔

ہندوستانی کتابوں کے فارسی تراجم
ہندوستانی مذاہب اور تمدن کی افہام و تفہیم کی گراں قدر کوشش

جناب شریف حسین قاسمی

ہندوستان اور ایران کے باہمی سیاسی، سماجی، تجارتی اور ادبی رشتوں پر سیر حاصل گفتگو ہوچکی ہے اور آج بھی ہوتی رہتی ہے۔ تاریخی اعتبار سے ان روابط کی قدامت کا تعین بھی مشکل ہے۔

ایرانیوں نے ہندوستان سے اپنے ان ہی قریبی دوستانہ تعلقات کی وجہ سے یہاں کی زندگی کے ہر پہلو میں دلچسپی لی اور اسے سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی۔ تمہید کے طور پر ایران و ہند کے قدیم ادبی و علمی تعلقات کا ذکر اس لیے ضروری ہے کہ یہ ذہن میں تازہ رہے کہ جب فارسی زبان والے ہندوستان آئے تو ہندوستان کی علمی و ادبی فتوحات اور ان کی ہمہ گیر عظمت سے وہ واقف تھے۔

ایران میں تیسری صدی عیسوی میں ساسانی حکومت کے قیام کے بعد ایران و ہندوستان کے سیاسی، تجارتی اور علمی و ادبی روابط میں قابل ذکر اضافہ ہوا۔

ساسانی بادشاہ شاہ پور اول کے دور حکومت میں ہندوستان کی چند کتابوں کے جو ظاہر ہے سنسکرت میں تھیں، اس زمانے کی فارسی زبان پہلوی میں ترجمے کیے گئے۔ ان میں منطق پر ترکہ (Tarka)، صرف و نحو، پر ویاکرنہ (VYakarna)، نجوم پر ہورہ (Hora) اور تقویم (ماہ شماری) پر کالا کوشہ (Kala Kosha) قابل ذکر ہیں۔

تاریخ نے انوشیروان (۵۳۱/۵۱۹) اور اس کے جانشین خسرو پرویز کے دور حکومت میں

دہلی۔

ہندوستان اور ایران کے درمیان سفراء و تحفے تحائف کے آنے جانے اور تجارتی وادبی و علمی تعلقات کی تفصیل محفوظ رکھی ہے۔ انوشیروان کے زمانہ حکومت میں اس کا ایک وزیر یرزویہ ہندوستان آتا ہے، معرکۃ الارا کتاب پنچاتنتر کا پہلوی میں ترجمہ کرتا ہے۔ ایک ہندوستانی سفیر ہندوستانی کھیل شطرنج ایران میں متعارف کراتا ہے۔ پنچاتنترا کے علاوہ ایک دوسری کتاب سندباد تامہ بھی اسی دور میں ایران پہنچتی ہے اور پہلوی میں ترجمہ کی جاتی ہے۔ پنچاتنترا کا یہ پہلوی ترجمہ اب موجود نہیں لیکن ابن مقفع کا عربی میں اس کا ترجمہ کلیلہ و دمنہ دستیاب ہے جس کے فارسی میں بارہا ترجمے کیے گئے یا انہیں دوبارہ لکھا گیا۔ انوشیروان کے عہد ہی میں جندی شاپور کی معروف ایرانی درس گاہ میں ہندوستانی طبیب، طب اور دوا سازی کی تعلیم دیتے ہیں۔ کنشکا کے دربار کے طبیب چرکہ کی کتاب کا پہلوی میں ترجمہ کیا جاتا ہے۔

اسلام آنے کے بعد، علم کی تلاش میں بڑی سرگرمی آئی۔ مسلمانوں نے دنیا کے حالات جاننے کے لیے دور دراز کا سفر کرنے اور دوسری اقوام کے تجربات، مشاہدات اور علمی تحقیقات سے روشناس ہونے اور ان سے استفادہ کی غرض سے قابل رشک شوق و ذوق کا مظاہرہ کیا۔ چونکہ ہندوستان کی علمی فتوحات کی اہمیت و مناسبت سے یہ واقف تھے۔ اس لیے ہندوستانی علوم جیسے طب، نجوم اور ریاضیات ان کی خاص توجہ کا مرکز بنے اور مسلمانوں کے فکری اور تمدنی انقلاب میں نہایت موثر عامل ثابت ہوئے۔

اموی اور عباسی خلفا نے دل کھول کر علم حاصل کرنے اور اس کی ترویج میں جیسے ایک تحریک چلا رکھی تھی۔ بغداد اس دور میں علوم و معارف کا سب سے بڑا مرکز تھا جہاں مختلف ممالک سے علما، فضلا اور دانشور جمع کر لیے گئے تھے اور یہ سب علم و دانش کو عام کرنے کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کر رہے تھے اور اپنی اہم علمی، تحقیقی اور ادبی کتابوں کے عربی میں تراجم کرنے میں ایک دوسرے کی مدد کر رہے تھے۔ اس طرح علمی ذخیرہ جو کچھ جہاں سے ملا اس کا عربی میں ترجمہ کرایا گیا اور اسے عام استفادہ کے لیے پیش کر دیا گیا۔

اسلامی دور میں دوسری صدی ہجری ؍ آٹھویں صدی عیسوی سے ہندوستانی کتابوں کے تراجم کا دور شروع ہوتا ہے۔ خلیفہ منصور عباسی (۷۵۴-۷۷۵ء) کی تشویق اور ان کے برمکی وزرا کی

سرپرستی نے ہندوستانی علوم وفنون اورادبی روایات کوعربی میں منتقل کرانے میں نمایاں حصہ لیا۔ برمکی، بلخ کے علاقے میں ایک معتبر اورحاکم خاندان پرمکھ تھا اور ہندوستانی علوم سے خاص دلچسپی رکھتا تھا۔ یہ بودھ تھے جو بعد میں مسلمان اورعباسی خلفا کے وزراء میں شامل ہو گئے تھے۔

دوسری صدی ہجری/ آٹھویں صدی عیسوی میں مسلمان نجوم اورریاضی میں ہندوستانی دانشوروں کی پیروی کرتے تھے۔منصورعباسی کے دورخلافت میں ایک ہندوستانی منجم بغداد بلایا جاتا ہے۔ یہ نجوم پرہندوستانی کتاب سدھانتا کا تعارف کراتا ہے۔ابراہیم الفزاری اور یعقوب بن طارق اس سے نجوم وریاضیات کا درس لیتے ہیں اور پھر یہ تینوں استادشاگردمل کر ہندوستانی منجم برہمہ گپتا (ساتویں صدی عیسوی) کی معروف کتابوں براہمہ سدھانتا اور کھنڈکھادیکہ (Khanda Khadayaka) کے جواہرگنہ (Ahargana) کے نام سے معروف ہے، عربی میں ترجمے کرتے ہیں۔مسلمان منجموں میں براہمہ سدھانتہ ،سندھنداوردوسری کھندکھادیکہ، ارکنند کے نام سے معروف ہیں۔

پانچویں صدی ہجری/ گیارہویں صدی عیسوی تک اسلامی ممالک میں، ایران سے اندلس تک جہاں بھی زیچ بنائی گئی، وہاں ان کتابوں سے راہنمائی حاصل کی گئی۔ ابوریحان بیرونی نے ہندوستان پراپنی کتاب الہند میں ان دونوں کتابوں کے بارے میں مفصل گفتگو کی ہے۔ان کے مشتملات، اوصاف اورخامیوں کا ذکربھی کیا ہے۔صفربھی ہندوستانیوں کی ایجاد ہے۔ یہ علمی دنیا میں زبردست انقلاب کا باعث ہوا۔ ہمارا یہ نظام ریاضی عربوں کے ذریعے یورپ پہنچا۔ وہ اسے عربوں کی دین اور Arabic Numeral کہتے ہیں،لیکن عرب اس سلسلے میں اپنے ہندوستانی محسنوں کونہیں بھولتے، سچ بولتے ہیں اوراسے ایمانداری سے ہندوستان کی دین اور ہندسہ کہتے ہیں۔

مسلمانوں میں ایک دوسرا ہندوستانی منجم آریہ بھٹ (پانچویں صدی ہجری/ گیارہویں صدی عیسوی) بھی معروف رہا ہے۔عربی کتابوں میں اس کا نام ارج بہراورارج بھدکی صورت میں نظرآتا ہے۔

اسلامی دورکی اوائل کی صدیوں میں نجوم وریاضی پرجن ہندوستانی کتابوں کے عربی تراجم کیے گئے ان کی نسبتاً ایک طویل فہرست ابن الندیم کی معروف کتاب الفہرست اورابن ابی اصیبعہ کی عیون الانباء فی طبقات الاطبا میں درج ہے۔

ابن ابی اصیبعہ نے ایک ہندوستانی طبیب کا قصہ بیان کیا ہے جس کا یہاں نقل کرنا بے جا نہیں:

''خلیفہ ہارون الرشید ایک سخت قسم کی بیماری میں مبتلا ہو گیا۔ بغداد کے اطبا اس کا علاج کرنے سے عاجز آ گئے۔ اس کے ایک مقرب نے اسے صلاح دی کہ ایک ہندوستانی حاذق حکیم اور دانشور منکہ ہے۔ اسے بغداد بلایا جائے، وہ خلیفہ کا علاج کر سکتا ہے۔ منکہ کو بغداد بلا لیا گیا۔ اس کے علاج سے ہارون الرشید صحت مند ہو گیا۔ طبیب کا اعزاز و اکرام کیا گیا۔ ایک روز منکہ بغداد کی گلی کوچوں سے گذر رہا تھا، اس نے ایک شخص کو سڑک پر کپڑا بچھائے اور اس پر جڑی بوٹیاں پھیلائے دیکھا، یہ شخص اپنی بنائی ہوئی معجون کے بارے میں بتا رہا تھا کہ یہ ہر قسم کے بخار، درد زانو، درد کمر، بواسیر، پیٹ کے درد، آنکھوں کے امراض، فالج، رعشہ غرض ہر قسم کی بیماری کا علاج ہے۔ منکہ نے اپنے ساتھ مترجموں سے پوچھا کہ یہ شخص کیا کہہ رہا ہے۔ جب اسے صورت حال بتائی گئی تو منکہ نے کہا کہ ایسے شخص کے بغداد میں ہونے کے باوجود اسے ہندوستان سے بغداد کیوں بلا لیا گیا۔ وہ اپنے گھر بار اور خاندان سے دور ہو گیا اور سفر اور بغداد میں اس کے قیام وغیرہ پر خرچ الگ ہوا۔ اور اگر یہ شخص جو کچھ کہہ رہا ہے، بے بنیاد اور جھوٹ ہے تو اسے قتل کیوں نہیں کر دیا جاتا۔ ایسے شخص کے قتل کی شریعت بھی اجازت دیتی ہے، اگر یہ قتل کر دیا گیا تو صرف ایک شخص، یہ خود مارا جائے گا اور لوگ محفوظ رہیں گے اور اگر اس کو آزاد چھوڑ دیا گیا تو اس کی جہالت و حماقت ہر روز کسی نہ کسی کی موت کا باعث ہوگی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک دن میں دو تین یا چار لوگ اس کے ہاتھوں مارے جائیں۔ یہ تو دین میں فساد اور مملکت کی تباہی کا باعث ہوگا''۔(۱)

اس داستان کے سنانے کا مقصد یہ تھا کہ واضح ہو جائے کہ ہندوستان میں طبابت کا پیشہ اور خود طبابت ضوابط و قواعد پر مبنی تھی۔ علمی و تجرباتی اصولوں کے علاوہ، اس پیشے کا اخلاقی اور سماجی پہلو بھی مد نظر رکھا جاتا تھا اور یہ ایک خصوصی وصف تھا ہندوستانی طبابت کا۔

بغداد آنے والے ہندوستانی اطبا نے اس علم کی تعلیم دینے کے علاوہ کتابیں لکھیں، ہندوستانی

کتابوں کے عربی میں تراجم کرنے میں شرکت کی اور ہندوستانی علوم سے دلچسپی رکھنے والے طلبہ اور محققین کی مدد و راہنمائی بھی کی۔

معروف ایرانی حکیم محمد بن زکریا رازی نے اپنی کتابوں میں اقرار کیا ہے کہ اس نے طب پر ہندوستانی کتابوں کے عربی تراجم سے استفادہ کیا ہے۔

ابن الندیم نے اپنی الفہرست میں مختلف موضوعات پر ہندوستانی کتابوں کے عربی تراجم کا ذکر کیا ہے۔ان میں منطق، حکمت، مذہب، اخلاق، ادب، ہاتھ کی ریکھائیں دیکھنا، نجوم، جادو اور موسیقی پر کتابیں شامل ہیں۔

یہ ایک اہم تاریخی نوعیت کی بات ہے کہ اسی دور میں ہندوستان کی معروف کتاب مہابھارت کی ایک مختصر روایت عربی میں منتقل کی گئی۔ابوصالح بن شعیب کا یہ کارنامہ ہے کہ اس نے ۴۱۷/ ۱۰۲۶ میں ایک دیلمی سپہد کے لیے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا۔اس کی ایک روایت آج مجمل التواریخ والقصص میں محفوظ ہے۔

غیر اسلامی ایران، اسلامی ایران اور اسی طرح بغداد میں مسلمانوں کی ہندوستانی علوم و معارف سے زبردست دلچسپی کا ان معروضات سے بخوبی اندازہ ہو گیا ہوگا۔

سلطان محمود غزنوی (۳۸۸/ ۹۹۸-۴۲۱/ ۱۰۳۰) ہندوستان پر بار ہا حملے کرتا ہے۔اس کا بنیادی مقصد یہاں سے مال غنیمت سمیٹنا تھا، لیکن وہ پنجاب اور اس کے نواحی علاقوں کو اپنی قلمرو میں شامل کر لیتا ہے۔سلطان محمود کے جانشین اپنے سیاسی مرکز غزنہ میں سلجوقیوں کے ہاتھوں شکست کھا کر پنجاب میں سمٹ آتے ہیں اور لاہور کو اپنا مرکز بناتے ہیں۔

اس طرح فارسی زبان اور اس کی علمی و تہذیبی روایات کے حامل دسویں صدی عیسوی میں ہندوستان آجاتے ہیں۔یہی ان کا وطن قرار پاتا ہے۔اب انہیں ہندوستان اور ہندوستانیوں کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملتا ہے۔وہ یہاں کی مذہبی، تمدنی، لسانی اور جغرافیائی رنگارنگی اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔یہ تنوع انہیں بھا جاتا ہے۔وہ اسے از سر نو سمجھنے کی کوششوں میں لگ جاتے ہیں اور اس کا ایک حصہ بن جاتے ہیں۔

یہی وہ دور ہے جب ابوریحان بیرونی (۳۶۲/ ۹۷۳-۴۴۰/ ۱۰۴۸) پانچویں صدی ہجری/

گیارہویں صدی عیسوی میں ہندوستان آتا ہے۔ اس کا تعلق محمود غزنوی کے دربار سے تھا۔ یہ ہندوستان کے اس دور کے عظیم علمی مرکز سندھ اور اس کے آس پاس کے علاقوں پشاور اور لاہور میں تیرہ برس قیام کرتا ہے۔ سنسکرت سیکھتا ہے۔ اس کے علمی ذوق وشوق کو دیکھ کر ہندوستانی علما، پنڈت حضرات اسے اپنی کتابیں پڑھاتے ہیں۔ اس سے مذہبی امور پر گفتگو کرتے ہیں۔ پھر وہ سنسکرت میں متعدد کتابوں کا عربی میں ترجمہ کرتا ہے۔ ان میں سے بعض کتابوں کے اصل سنسکرت متون اب موجود نہیں لیکن بیرونی کے عربی ترجموں میں یہ آج بھی محفوظ ہیں۔ ہندوستان پر بیرونی کا سب سے معرکۃ الآرا کام ۷۰۰ صفحات پر مشتمل اس کی کتاب الہند (**فی تحقیق ما للهند**) ہے۔ یہ ایک دائرۃ المعارف قسم کی کتاب ہے، یہ ہندوستان سے متعلق تقویم، تاریخ، نجوم، جغرافیہ، فلسفہ، دین، فقہ وغیرہ موضوعات پر مصنف کے علمی تبحر اور تحقیقی کاوشوں کا قابل قدر ثمرہ ہے۔ اور اس دور کے ہندوستان کا معتبر تعارف بھی۔ بیرونی نے ۴۲۷ / ۱۰۳۵ میں اپنی کتابوں کی فہرست تیار کی تھی، جن کی تعداد ایک سو سے زیادہ ہے۔ ان میں ستائیس کتابیں ہندوستان اور یہاں کے مختلف علوم پر بیرونی کے علمی وتحقیقی تبصرے ہیں۔ ان میں سے بیشتر کتابیں اب مفقود ہیں۔ صرف دو کتابیں اور ایک مقالہ موجود ہیں لیکن ان میں سے چند کے اقتباسات کتاب الہند میں محفوظ ہیں۔

اسی دور میں فارسی کا ایک عظیم ومعروف شاعر مسعود سعد سلمان لاہور میں مقیم تھا۔ یہ ہندوستانی زبان سیکھتا ہے۔ اس میں شعر کہتا ہے۔ ایک دیوان مرتب کرتا ہے جس کا ذکر سب سے پہلے گیارہویں صدی عیسوی میں محمد عوفی نے شعرا کے اپنے تذکرہ لباب الالباب میں کیا ہے اور بعد میں طوطی ہند امیر خسرو دہلوی نے بھی اس عظیم تہذیبی واقعہ کو فخر سے دہرایا ہے۔

۵۸۲ / ۱۱۸۶ میں غیاث الدین محمد غوری کے ہاتھوں پنجاب میں غزنویوں کی حکومت کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔ کچھ مدت بعد ۶۰۲ / ۱۲۰۶ میں ایک نئی مملوک سلطنت کی بنیاد پڑتی ہے۔ اس زمانے سے ۱۸۵۷ء میں مغل حکومت کے خاتمے (بلکہ اس کے بعد بھی) تک ساڑھے چھ سو سال علم و ادب کے میدان میں اسی علمی، ادبی اور تحقیقی روایت حسنہ کی حکمرانی دیکھی جاسکتی ہے جو فارسی زبان و تہذیب کے حامل ہندوستان لے کر آئے تھے۔

یہ یاد دلانا ضروری ہے کہ ہندوستان سے باہر ہماری کتابوں کے پہلوی، عربی یا فارسی میں

تراجم کا بنیادی مقصد بیشتر حصول علم و دانش تھا۔ اس میں کامیابی حاصل ہوئی۔ ان تراجم سے ان کتابوں کے دنیا کی دوسری زبانوں میں بھی تراجم کیے گئے اور اس طرح علم و دانش کے نور نے لاعلمی کے اندھیروں کو دور کیا۔ اس کے برخلاف ہندوستانی کتابوں کے جو تراجم فارسی میں ہمارے وطن میں کیے گئے یا سنسکرت وغیرہ کی کتابوں کو فارسی میں بیان کیا گیا، ان کا ایک مقصد تو ظاہر ہے علم حاصل کرنا تھا ہی لیکن ایک دوسرا اہم تر مقصد سماجی، مذہبی اور تہذیبی بھی تھا اور وہ اس طرح کہ ہر میدان زندگی میں تنوع اور رنگا رنگی کو سمجھ کر دوستی، تفاہم، ایک دوسرے کے عقائد و افکار کو ملحوظ رکھ کر زندگی کی ایک ایسی راہ نکالنا تھا، جو سب کو قبول ہو۔ سب اس کا احترام کریں۔ پھلیں پھولیں۔ اپنی اپنی راہ پر چلنے کے باوجود کہیں کسی قسم کا اختلاف تکلیف دہ حد تک زندگی کی شاہراہ پر کوئی انتشار پیدا نہ کرے۔ اس رویے سے جنم لینے والے زندگی کے نئے طریقے کو آج مشترکہ تہذیب کے نام سے پکارتے ہیں، جو ہماری قابل فخر وراثت ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ جب دو لوگ ملتے ہیں، ایک دوسرے کے ساتھ رہتے ہیں، ایک دوسرے کے افکار و خیالات سے واقف ہوتے ہیں تو ایک دوسرے کی ہر نوعیت کی مذہبی، فنی، صنعتی اور تہذیبی روایات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ کبھی کبھی تو یہ بھی ہوتا ہے کہ محض چند لمحات کا ساتھ عمر بھر کے تعلق کا موجب ہو جاتا ہے۔ یہی ہندوستان میں مسلمانوں اور یہاں کے مختلف مذاہب خاص طور پر ہندو مذہب کے ماننے والوں کے ساتھ پیش آیا۔

اس حقیقت کا اظہار ضروری ہے کہ ہندوستان میں مغلوں کی حکومت سے پہلے سلطنت دور میں چند ہی ہندوستانی کتابوں کے فارسی میں تراجم دستیاب ہیں۔ اس کے برخلاف مغلوں کے دور حکومت میں بے شمار ہندوستانی کتابوں کے فارسی میں تراجم کیے گئے۔ ان میں تاریخی، مذہبی، علمی، تمدنی و تہذیبی غرض ہر نوعیت کی کتابوں کے فارسی میں تراجم ہوئے۔ بادشاہ اکبر کو ابوالفضل کے بقول یہ احساس ہوا کہ یہاں کے مختلف طبقوں خاص طور پر ہندو اور مسلمانوں میں بعض ایسے امور میں اختلاف نظر پایا جاتا ہے جسے ایک دوسرے کے عقائد کو صحیح طور پر سمجھنے سے دور کیا جاسکتا ہے۔ اس نے ترجمہ کا ایک مرکز قائم کر دیا اور اپنے دور کے معتبر اور دانشور علما و فضلا اور پنڈتوں کو حکم دیا کہ وہ ہندوستانی کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کریں تاکہ ہندوستانی عقائد کو سمجھنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔ ان

تراجم کا ذکر بعد میں کیا جائے گا۔

تیرہویں صدی کے اوایل میں ایک شخص عبدالرحمان (م ۱۲۱۳ء) ملیچھا دش میں جنم لیتا ہے۔اس مقام کی پہچان نہیں ہو سکتی۔اس نے اپنا ہندی/ ہندوی کلام ''سندیش راسک'' کے نام سے مرتب کیا۔ یہ تین فصلوں میں منقسم ہے۔اس میں ایک ایسی عورت کی کہانی بیان کی گئی ہے جو اپنے شوہر سے کوسوں دور رہنے پر مجبور ہے۔وہ جدائی کی اس زندگی کی کلفتیں بیان کرتی ہے۔آخر کار اس کا شوہر لوٹ آتا ہے اور وہ ہنسی خوشی زندگی گذارتے ہیں (۲)۔ یہ کہانی ایک ہندوستانی داستان شک ست پتی سے بہت ملتی جلتی ہے۔یہ بارہ ماسہ کی ایک شکل ہے۔

امیر خسرو (۱۲۵۳ـ ۱۳۲۴) سے کون واقف نہیں۔ یہ حقیقی معنی میں طوطی ہند ہیں۔ ہندوستان کو سمجھنے اور اس کا تعارف کرانے میں انہوں نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ یہ ہندوستان کو جنت نشان کہتے ہیں اور اس کے ثبوت میں دل لگتے دلائل پیش کرتے ہیں۔ ہندو مذہب اور اسلام میں بعض مشترک باتوں کا خاص طور پر ذکر کرتے ہیں۔ہندوستانی کتاب کلیلہ و دمنہ اور شطرنج کی اہمیت پر گفتگو کرتے ہیں۔موسیقی میں ہندوستانی سرود کو ایک ممتاز آلۂ موسیقی قرار دیتے ہیں جس کی مدھر آواز سے انسان ہی نہیں، جانور بھی جھوم اٹھتے ہیں۔ یہاں بولی جانے والی زبانوں اور لہجوں کا تعارف کراتے ہیں۔ وہ سنسکرت کو ایک اہم اور عظیم زبان شمار کرتے ہیں جو ان کی نظر میں فارسی سے بہتر ہے۔صرف یہی نہیں، وہ سب سے پہلے ایک ہندوستانی داستان دول رانی و خضر خان فارسی میں نظم کرتے ہیں اور شادی بیاہ سے متعلق رسم و رواج کا فارسی دنیا میں تعارف کراتے ہیں۔

چودھویں صدی عیسوی میں سلطان محمد بن تغلق (م ۱۳۵۲ء) کے دور سلطنت میں صدر اخستان ہندوستانی داستانوں پر مشتمل بساتین الانس لکھتے ہیں۔ان کا پس منظر ہندوستانی ہے۔

فیروز شاہ تغلق (۱۳۵۱ـ۱۳۸۸ء) ایک فرہنگ دوست اور علم و دانش نواز بادشاہ گذرا ہے۔ اسے ہندوستانی تہذیب و تمدن کی مناسبت و عظمت کا احساس بھی تھا۔اس کے اشارہ پر سنسکرت کی چند کتابوں کے فارسی تراجم کیے گئے۔ان میں نجوم پر وراھامیرا (Varahamira) کی کتاب قابل ذکر ہے جسے عبدالعزیز شمس تھانیسری نے فارسی کا جامہ پہنایا تھا۔

اسی تغلق دور میں ملا داؤد نے اودھی زبان میں چنداین کی داستان نظم کی۔اس کتاب کا ایک

امتیاز یہ بھی ہے کہ یہ ہندوستانی زبان میں سب سے پہلی کتاب ہے جو ہم تک پہنچی ہے۔اس میں لورک اور چندا کے عشق کی داستان بیان کی گئی ہے جس کو ملا داؤد نے اسلامی تصوف کے رنگ میں نظم کیا ہے اور اس طرح تصوف کا عام لوگوں میں تعارف کرایا ہے۔اس مثنوی کے اشعار مسجد کے ممبر سے پڑھے جاتے تھے جو اس کی محبوبیت کا ثبوت ہیں۔

راجا ترنگنی سنسکرت میں آٹھ ابواب پر مشتمل کشمیر کی تاریخ ہے۔ یہ پنڈت کلہن کی تصنیف ہے جو راجا ہرش (۱۰۷۸-۱۱۰۱ء) کے وزیر چنیک کا لڑکا تھا۔ یہ ۹-۱۱۴۸ء میں کشمیر کے راجا جے سنگھ کے دور حکومت میں لکھی گئی تھی۔اس کا سب سے پہلا فارسی ترجمہ کشمیر کے شاہ میری خاندان کے سلطان زین العابدین معروف بہ بڈشاہ (۸۲۳/۱۴۲۰-۸۷۵/۱۴۷۵) کے دور میں کیا گیا۔ یہ ترجمہ اب دستیاب نہیں۔ بڈشاہ کے دور حکومت میں زوتاراج نے راج ترنگنی کا زینا ترنگنی کے نام سے ضمیمہ لکھا۔ پنڈت شری دھر نے بھی ایک دوسرا ضمیمہ لکھا جسے ملا احمد اور رتنا کر نے بڈشاہ کے زمانے ہی میں فارسی میں منتقل کیا۔ بادشاہ اکبر (۱۵۵۶-۱۶۰۵) نے ملا شاہ محمد شاہ آبادی سے ۹۹۸/۱۵۹۰ء میں اس کا فارسی میں دوبارہ ترجمہ کرایا جس کا ذکر ابوالفضل نے آئین اکبری میں کیا ہے۔اس کے کم از کم دو قلمی نسخے ملتے ہیں۔

مزید براں گجرات میں کچھ کے حاکم قبیلے کی تاریخ نسب نامۂ جدیجا، جدھشتر سے شہاب الدین غوری کے ہندوستان پر حملے تک یہاں کے راجاؤں کی مختصر تاریخ راجاولی، مہا بھارت، بھگوت گیتا اور ہری ونش سے ماخوذ ہندوستانی تاریخ کا فارسی ترجمہ گلشن اسرار، بندیل کھنڈ میں اور چا کے راجا نرسنگھ کی جس نے ابوالفضل کو قتل کیا تھا۔تاریخ کا فارسی ترجمہ فرح بخش جان، ہماری تاریخ سے متعلق وہ کتابیں ہیں جن کا فارسی میں ترجمہ کیا گیا اور جن کے قلمی نسخے آج بھی ملتے ہیں۔

کاشی کھنڈ، چترا مہاتمی، پوتھی کاشی کھنڈ، وایو پوران، برج مہاتم وہ کتابیں ہیں جو ہندوستان کے جغرافیے اور آثار قدیمہ کی تاریخ ہیں۔ان کا بھی مختلف ادوار میں فارسی میں ترجمہ کیا گیا۔ان کے فارسی تراجم کے قلمی نسخے بھی دستیاب ہیں۔

ضیاء الدین (م ۷۵۱/۵۱-۱۳۵۰) بخارا میں واقع نخشب سے ہندوستان آئے اور بدایوں میں مقیم ہوگئے۔ یہ صوفی منش فارسی شاعر ایک طویل عرصے تک زندہ رہے اور انھوں نے مملوک، خلجی

اور اوایل تغلق دور کو دیکھا۔ انہیں ہندوستانی علوم و معارف سے دلچسپی تھی۔ سنسکرت سیکھنے بنارس گئے۔ سنسکرت میں دو کتابوں شک ست پتی اور کوک شاستر کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ شک ست پتی کو طوطی نامہ کے نام سے ۷۳۰/۰ ۳۰-۱۳۲۹ میں فارسی کا جامہ پہنایا اور کوک شاستر کے فارسی ترجمہ کو لذت النساء کا عنوان دیا۔ یہ دونوں کتابیں فارسی میں مشہور ہیں۔ طوطی نامہ میں ۵۲ کہانیاں ہیں جو ایک طوطی اپنے مالک کی بیوی کو اس کی غیر حاضری میں راہ راست پر قائم رکھنے کے لیے سناتا ہے۔ بارہ ماسا اسی نوعیت کے ادب کو کہتے ہیں۔

یہ کہانی قرون وسطی میں بہت مقبول رہی۔ ہندوستان اور باہر کے کتاب خانوں میں اس کے کوئی ۱۵۸ قلمی نسخے محفوظ ہیں۔ اس کا فارسی متن ہندوستان اور ایران سے شائع ہو چکا ہے۔ M.A. Sinsar نے فارسی متن کا انگریزی ترجمہ کیا ہے۔ اس کا جرمن زبان میں بھی ترجمہ ہوا ہے۔ غواصی نے یہ قصہ دکنی میں لکھا ہے۔ اس کی مقبولیت کے پیش نظر اکبر نے ابوالفضل سے نخشبی کے ترجمے کو دوبارہ نسبتاً سادہ فارسی میں لکھوایا۔ حمید لاہوری، محمد قادری، نصیری محسن وہ دوسرے شعرا و ادبا ہیں جنہوں نے اپنے اپنے طور پر طوطی نامہ کو فارسی میں منتقل کیا ہے۔ ان روایات کے بھی متعدد قلمی نسخے کتاب خانوں میں موجود ہیں۔

مغل دور حکومت میں سنسکرت اور دوسری ہندوستانی کتابوں کے فارسی میں تراجم کیے گئے۔ ان کی بہت بڑی تعداد ہے۔ ان کے موضوعات بھی متنوع ہیں مثلاً ہندوستانی تاریخ، آثار قدیمہ، قدیم عوامی ادب، پوران سے متعلق ادب، مذہب، تصوف، تاریخی و نیم تاریخی کہانیاں اور داستانیں، ہنر و فن، موسیقی، جادو، طب اور دوا سازی، ریاضیات، سائنسی علوم وغیرہ۔

یہاں اس وقت ان سب پر سیر حاصل گفتگو ممکن نہیں۔ اس لیے ایک اجمالی گزارش پیش خدمت ہے۔ عوامی ادب کا ہندوستان میں بہت رواج رہا ہے۔ پنچا تنترا کی کہانیاں اسی زمرہ میں آتی ہیں۔ اس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ فارسی ادب میں اس کی بڑی اہمیت رہی ہے اور آج بھی ہے۔ اس کا جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے۔ سب سے پہلے بزویہ نے ساسانی دور میں پہلوی میں ترجمہ کیا۔ اس کے مفقود ہونے سے پہلے ابن مقفع نے اسے عربی میں منتقل کر دیا تھا۔ اسی عربی ترجمے سے اس کے فارسی میں ترجمے کیے گئے یا پنچا تنتر کے مطالب کو فارسی میں بیان کیا گیا۔ فارسی کے معروف شاعر

جعفر ابوعبداللہ رودکی (م ۳۲۹/۴۱-۹۴۰) نے اس کتاب کو فارسی میں نظم کیا تھا۔ پنچاتنتر کو تقریباً ہر دور میں فارسی میں پیش کیا گیا ہے۔ چھٹی صدی ہجری/ بارہویں صدی عیسوی میں عبداللہ بخاری نے اسے داستانہای بید پای کے نام سے فارسی میں لکھا۔ اسی صدی میں ابوالمعالی نصراللہ منشی کی پنچاتنتر کی روایت کو کلیلہ و دمنہ بہرام شاہی کے نام سے شائع کیا گیا، احمد بن محمود طوسی قانعی نے کلیلہ و دمنہ اور حسین واعظ کاشفی (م ۹۱۰/ ۱۵۰۴) نے انوار سہیلی کے نام سے پنچاتنتر کو فارسی میں بیان کیا ہے۔ یہ بہت مشہور روایت ہے۔ اس کے کوئی ترسٹھ خطی نسخے موجود اور اس کی محبوبیت کے گواہ ہیں۔ یہ بارہا چھپی ہے۔ ایران سے بھی ہندوستان سے بھی۔ اکبر کو ابوالمعالی اور کاشفی کے ترجمے پسند نہیں آئے۔ اس نے ابوالفضل کو یہ کتاب نسبتاً سادہ فارسی میں لکھنے کا حکم دیا جو عیار دانش کے نام سے آج ہمیں دستیاب ہے۔ عیار دانش کے کم از کم ۳۷ قلمی نسخے موجود ہیں۔ یہ کئی مرتبہ شائع بھی ہوئی ہے۔

پنچاتنتر کے فارسی تراجم یا روایات کے ضمن میں اس کی ایک روایت کا ذکر ضروری ہے۔ بادشاہ اکبر نے جب سنسکرت میں اصل پنچاتنتر دیکھی تو اسے احساس ہوا کہ کئی بار فارسی میں ترجمہ کیے جانے کی وجہ سے، ترجمے اصل سے دور ہو گئے ہیں۔ اس نے اپنے دربار کے ایک فاضل خالق داد عباسی کو حکم دیا کہ وہ اس کا دوبارہ توجہ سے فارسی میں ترجمہ کرے۔ اس کا واحد قلمی نسخہ نیشنل میوزیم، نئی دہلی میں محفوظ ہے اور استاد گرامی پروفیسر سید امیر حسن عابدی مرحوم نے اسے شائع کر دیا ہے۔

ہندوستان سے سنسکرت کے ایک استاد ڈاکٹر اندو شیکھر سنسکرت پڑھانے کے لیے تہران یونیورسٹی گئے تھے۔ تہران میں اپنے قیام کے دوران انہوں نے بھی پنچاتنتر کو فارسی میں منتقل کیا تھا۔ ظاہر ہے یہ کام کسی ایرانی فاضل کے تعاون سے انجام پایا ہوگا۔

عوامی ادب کے سلسلے میں کتھا سرت ساگو کو بھی اہمیت حاصل ہے۔ اس کا فارسی ترجمہ سب سے پہلے کشمیر کے زین العابدین بڈشاہ کے دور میں کیا گیا تھا۔ شاہنشاہ اکبر نے اس کا بھی دوبارہ ترجمہ کرایا۔ اکبر کے حکم سے پنچاتنتر کا فارسی کرنے والے خالق داد عباسی نے ہی یہ ترجمہ بھی دریائے اسمار کے نام سے کیا ہے اور ملا عبدالقادر بدایونی نے اس پر نظر ثانی اور اضافے کیے ہیں۔ مرحوم پروفیسر عابدی نے یہ ترجمہ بھی شائع کر دیا ہے۔

سنگھاسن بتیسی راجا وکراما دتیا کی داد و دہش، بہادری اور شان و شکوہ سے متعلق بتیس

داستانوں پر مشتمل ہے۔اسے بھی کئی مرتبہ فارسی میں ترجمہ یا بیان کیا گیا ہے۔

بودھ مت اور بدھا کی زندگی سے متعلق واقعات پر ایک کتاب بکرام جوسافت فارسی میں ترجمہ کی گئی ہے۔

بیتال پچیسی بھی راجا وکراما دتیا سے متعلق داستانوں کی کتاب ہے۔اسے سب سے پہلے غالباً مہاراجا مادھوکشن ولد راجا راج کشن بہادر ولد مہاراجہ نیپ کشن بہادر نے ۱۲۴۵ / ۲۹-۱۸۲۸ سے پہلے فارسی میں منتقل کیا تھا۔

قصہ کامروپ وکام لتا کو کوئی چودہ بار فارسی میں بیان کیا گیا ہے۔ مینا دلوک کو متعدد مرتبہ فارسی میں لکھا گیا ہے۔اس کا ذکر پہلے کیا جاچکا ہے۔اورنگ زیب کی لڑکی زیب النسا کے کہنے پر بھی عبدالغفور سقیم (؟) نے ۱۰۸۴ / ۱۶۷۳ میں یہ قصہ نظم کیا تھا۔

پوران سے متعلق جو ادب سنسکرت میں محفوظ ہے،اس کو خاص توجہ سے مختلف ادوار میں فارسی کا جامہ پہنایا گیا ہے۔ یہ کام انجام دینے کے لیے فارسی کے معتبر اور معروف علما اور دانشوروں نے اپنی خدمات پیش کی ہیں اور ہندو فضلا نے ان کی راہنمائی کی ہے۔ ہندو مذہب کی تاریخ و روایات میں بھگوت گیتا کو ایک اہم اور خصوصی مقام حاصل ہے۔اسے ویدوں کا لب لباب اور روح سمجھا جاتا ہے۔ یہ ہندوستانی دانش و معرفت کا نچوڑ ہے۔اس میں کرشن اور ارجن کی گفتگو محفوظ ہے۔

مغل دور حکومت میں مختلف ہندو اور مسلمان دانشوروں نے بھگوت گیتا اور اس سے متعلق ادب کا بار بار ترجمہ کیا۔ابوالفضل ان کے بڑے بھائی فیضی، چندرسین، پنڈت بیربل کچرو،عبدالرحمان چشتی،امانت رائے امانت،بھگوان داس ہندی وغیرہ فارسی کے وہ ادبا و شعرا ہیں جنھوں نے بھگوت گیتا کے فارسی میں نظم و نثر میں ترجمے کیے۔بھگوت گیتا سے متعلق فارسی میں بعض ایسی بھی کتابیں ملتی ہیں جن کے مولفین نامعلوم ہیں۔ راقم مجموعی طور پر ان کے ۲۳۵ قلمی نسخوں کا پتا چلا سکا ہے۔ یہ تعداد بتاتی ہے کہ فارسی میں بھگوت گیتا کے قارئین کی تعداد ہندوستان میں ہر جگہ بڑی کثیر تھی۔

مہابھارت دوسری بہت اہم اور بنیادی کتاب ہے۔سب سے پہلے اکبر نے اس کا فارسی میں ترجمہ کرایا۔ اس دور کے ماہر مترجمین اور فضلا کو یہ کام سونپا گیا۔ ان میں عبدالقادر بدایونی، عبداللطیف حسینی ملقب بہ نقیب خان، محمد سلطان تھانیسری اور ملا شری شامل تھے۔ یہ ترجمہ ۹۹۰ /

۱۵۸۲ میں مکمل اور رزم نامہ کے نام سے موسوم ہوا۔ ابوالفضل علامی نے ۹۹۶ / ۸۷-۱۵۸۶ میں اس پر مقدمہ لکھا۔ اس کی کثرت سے نقلیں تیار کرائی اور تقسیم کی گئیں۔ اس کے بھی بڑی تعداد میں قلمی نسخے دستیاب ہیں۔ یہ شائع بھی ہو چکی ہے۔ یہ چونکہ ایک ضخیم کتاب ہے، اس لیے اس کے خلاصے بھی تیار کرائے گئے۔ اکبر ہی کے دور اور اس فرماں روا کے حکم سے طاہر محمد بن عمادالدین حسن بن سلطان علی بن محمد حسین شیرازی نے بھی ۱۰۱۱ / ۳-۱۶۰۲ میں مہابھارت کا ایک مختصر ترجمہ کیا تھا۔

رامائن ہندوستان کی ایک دوسری اہم دینی اور تمدنی کتاب ہے۔ بالمیکی کی رامائن کا اکبر کے حکم سے ملا عبدالقادر بدایونی نے ۹۹۷ / ۱۵۸۹ میں چار سال کی محنت کے بعد ترجمہ کیا۔ ملا شیخ سعداللہ مسیحی کیرانوی نے بنارس میں بارہ سال قیام کیا۔ سنسکرت سیکھی۔ مسیحی کا ترجمہ مشہور ہے۔ چندرمن بیدل، امرسنگھ، امانت رائے امانت، منشی رام داس قابل وغیرہ نے بھی بالمیکی رامائن کے فارسی میں ترجمے کیے ہیں۔ تلسی داس کی رامائن کا دیہی یا دیوی داس کایستھ (م ۱۶۲۴ء) نے فارسی میں ترجمہ کیا ہے۔ بالمیکی اور تلسی داس کی رامائن کے فارسی تراجم کے ۱۱۰ قلمی نسخے کتاب خانوں میں محفوظ ہیں جو ان کے بڑے پیمانے پر پڑھے جانے کے ترجمان ہیں۔ ان میں سے بعض تراجم جیسے رامائن مسیحی شائع بھی ہو چکے ہیں۔

کالی داس کی شکنتلا علی گڑھ یونیورسٹی کے معروف فارسی کے استاد پروفیسر ہادی حسن اور اس کے بعد ہندوستان میں ایران کے سفیر علی اصغر حکمت صاحب نے فارسی میں تراجم کیے ہیں۔ ہادی حسن صاحب کا ترجمہ خاتم مفقود کے عنوان سے ممبئی سے ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا تھا۔ اور حکمت صاحب کا ترجمہ دہلی یونیورسٹی نے ۱۹۵۷ء میں شائع کیا۔

کالی داس کا معروف ڈراما وکرم اروشی کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ پروفیسر سید امیر حسن مرحوم نے اسے فارسی نثر کا جامہ پہنایا جو Indian Council for Cultural Relation، نئی دہلی نے ۱۹۶۹ء میں شائع کیا ہے۔ پروفیسر عابدی نے وکرم اروشی کے اردو ترجمہ سے فارسی ترجمہ کیا ہے۔ شریف علی اور منشی رگھوناتھ سنگھ حاجر دہلوی نے وکرم اروشی کے اردو میں تراجم کیے ہیں۔

ناٹک پرابودھ چندرا ودے، شری کرشن مصرا کی تالیف ہے۔ اسے داراشکوہ (۱۰۲۴ / ۱۶۱۳-۱۰۶۹ / ۱۶۵۹) کے منشی باباولی رام نے فارسی میں ڈھالا تھا اور اس کا نام رکھا تھا، گلزار حال اور

طلوع قمر معرفت۔ اسے دوسری مرتبہ بھوپت رائے بیراگی متخلص بہ بیغم (م ۱۱۳۲/ ۱۷۱۹) نے فارسی میں منتقل کیا۔

وید ہندوستان کی مقدس کتاب مانی جاتی ہے۔ اکبر کی خواہش پر ملا عبدالقادر بدایونی نے ۹۸۳/ ۱۵۷۵ میں اس کا فارسی میں ترجمہ شروع کیا،لیکن اس کی تکمیل حاجی ابراہیم سرہندی نے کی۔ اس کا کوئی قلمی نسخہ دستیاب نہیں،لیکن ابوالفضل نے آئین اکبری میں اس کا ذکر کیا ہے۔ڈاکٹر تاراچند کے مقدمہ کے ساتھ رگ وید کے انتخاب کا فارسی ترجمہ ایران سے چھپا ہے جو ڈاکٹر جلال نائینی کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔فیضی نے شری ویدویاس کا فارسی ترجمہ کیا،خازن اسرار کے نام سے ویدوں اور دوسری ہندو مقدس کتابوں کے اقتباس فارسی میں محفوظ ہیں۔

شاہ جہاں کے لڑکے محمد داراشکوہ نے باون اپنشدوں کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے۔ یہ ایک معرکۃ الآرا کام ہے۔اس کے مقدمے میں داراشکوہ نے لکھا ہے کہ وہ ۱۰۵۰/ ۱۶۴۱ میں کشمیر میں تھا اور ملا شاہ بدخشی کا مرید ہوگیا تھا۔ داراشکوہ نے یہ ۲۶/رمضان ۱۰۶۷/ ۱۶۵۷ کو بنارس کے عالم پنڈتوں اور سنیاسیوں کی مدد سے چھ مہینے کی محنت شاقہ کے بعد مکمل کیا اور اس کا نام سرا کبر یا سرالاسرار رکھا۔سب سے بڑا بھید یا بھیدوں کا بھید،خود یہ نام اشارہ کررہا ہے کہ داراشکوہ اپنشدوں کو کس نظر سے دیکھتا تھا۔اس کے بھی متعدد قلمی نسخے موجود ہیں۔ایران و ہندوستان سے یہ شائع بھی کردیا گیا ہے۔

یہ اہم بات ہے کہ خارجی زبانوں میں اپنشدوں کا پہلا ترجمہ،داراشکوہ کے اسی ترجمے سے کیا گیا ہے اور اس طرح فارسی کا یہ ترجمہ اپنشدوں کے باہر کی دنیا میں تعارف کا باعث ہوا ہے۔

یوگ وششٹ ہندوستانی فلسفے کی غالباً سب سے اہم کتاب ہے۔ جہاں گیر نے اپنی شاہزادگی کے زمانے میں اس کا پہلا فارسی ترجمہ کرایا تھا۔نظام پانی پتی نے پنڈتوں کی راہ نمائی میں یہ ترجمہ کیا تھا۔ پنڈت مصر حاجی پوری اور جگن ناتھ مصر بنارسی ان کے ہم کار تھے۔داراشکوہ نے بھی اس کا ایک ترجمہ کرایا، جو شاید بابا ولی رام نے کیا تھا۔اس کے مقدمے میں بتایا گیا ہے کہ داراشکوہ نے ایک رات وششٹ اور رام چندر کو خواب میں دیکھا۔خواب میں وششٹ نے رام چندر سے کہا کہ شہزادے کو گلے لگالو۔ وششٹ نے رام چندر کو مٹھائی بھی دی کہ وہ شاہزادے کو کھلائے،داراشکوہ نے اس کے بعد فیصلہ کیا کہ جوگ وششٹ کا ترجمہ کرائے۔ یہ خواب ہندو علوم کو سمجھنے اور سمجھانے میں داراشکوہ کے

انہماک کا ترجمان ہے۔اس کے بعد بھی متعدد قلمی نسخے ملتے ہیں اور پروفیسر امیر حسن عابدی صاحب نے یہ شائع بھی کردیا ہے۔مولوی ابوالحسن فرید آبادی نے اسی کا منہاج السالکین کے عنوان سے اردو میں ترجمہ کیا ہے، جونول کشور سے شائع ہوچکا ہے۔اس کے بعد بھی اس کے کئی مرتبہ فارسی میں ترجمے کیے گئے۔اطوار در حل اسرار، رشک بہشت، مفرح القلوب جوگ وششٹ ہی کے فارسی تراجم ہیں۔

امرت کنڈ (انبرت کنڈ) کا مایا کا تما کا مروپی کی تصنیف ہے۔اس میں ہندو تصوف کے تمام نظری اور عملی پہلوؤں سے بحث کی گئی ہے۔حوض الحیات نام سے اس کا پہلے عربی میں ترجمہ کیا گیا۔شیخ محمد گوالیاری (م ۹۷۰ / ۱۵۶۲) اپنے دور کے معروف صوفی ہیں، جنھوں نے بحر الحیات کے نام سے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا۔شہنشاہ اکبر ان کی بڑی عزت کرتا تھا اور یہ بھی روایت ہے کہ اکبر کے والد ہمایوں ان کے مرید تھے۔

ہندو مذہب اور عقائد سے متعلق بڑی کتابیں ہیں، جن کو فارسی زبان میں پیش کیا گیا ہے۔

بھگت مالا، رسالہ دربارۂ یوگا، قوانین ہندودھا، گیان مالا، مکالمہ شری مہادیو و ماتا پارتی، شیو پران، بسن پوران، ترجمہ اتم بلاس، اوم نامہ، تحقیق التناسخ وغیرہ کو فارسی کا جامہ پہنایا گیا ہے۔

سکھ مذہب کی کتابیں بھی فارسی میں ترجمہ کی گئی ہیں۔خواجہ عبدالحکیم خاں نے گورونا نک جی کی زندگی اور تعلیمات پر جنم ساکھی کا فارسی میں ترجمہ کیا۔انہوں نے ہی بابا نانک کے بارے میں ایک دوسری پنجابی کتاب کا ترجمہ ملاقات نانک کے نام سے فارسی میں ترجمہ کیا۔اس میں گورونا نک کی دوسرے مذاہب کے راہنماؤں سے ملاقات کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

ایک اور نہایت تاریخی نوعیت کا جو کام فارسی جاننے والوں نے انجام دیا وہ ہندوستانی کہانیوں اور داستانوں کو فارسی میں منتقل کرنے کا ہے۔اس کی ایک مفصل تاریخ ہے۔شاید ہی کوئی ایسی داستان ہوگی جو فارسی میں نہیں سنائی گئی۔یہ داستانیں ہمارے سماجی رسم و رواج کا بہترین اور موثر تعارف ہیں۔اس وقت چند اہم داستانوں کا ذکر کرنا چاہوں گا۔

امیر خسرو نے سب سے پہلے ایک ہندوستانی تاریخی داستان دولرانی خضر خان نظم کی۔یہ خسرو کے خمسے کا ایک حصہ ہے۔اس کی مقبولیت کا اس طرح اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس کے تیرہ قلمی نسخوں کا راقم پتا لگا سکا ہے۔ان میں چند مصور بھی ہیں۔یہ شائع بھی ہوچکی ہے۔ہندوستانی مشہور

داستان پدماوت کو عبدالشکور بزمی (۱۰۷۳/ ۱۶۶۲) نے ۱۰۲۸/ ۱۹-۱۶۱۸ میں فارسی میں نظم کیا ہے۔اس کے بعد اس کو فارسی کے دیگر شعرا و ادبا نے بھی بیان کیا ہے۔

محمد رضا نوعی خیوشانی نے سوز و گداز نام سے ایک مثنوی نظم کی اور اس میں ستی کی ایک حقیقی داستان کو اکبر کے کہنے سے نظم کیا۔نوعی نے اس مثنوی میں بتایا ہے کہ عاشق و معشوق کی شادی کی اجازت دے دی گئی۔ یہ انہونی بات ہے۔ عاشق شادی کے لیے گھر سے برات لے کر نکلا۔راستے میں دولہا پر ایک عمارت گر پڑی اور وہ مر گیا۔لڑکی ننگے پیر گھر سے باہر نکلی تاکہ وہ اپنے ہونے والے شوہر کے ساتھ ستی ہو جائے۔اکبر کو اطلاع دی گئی۔اس نے لڑکی کو بلایا، اپنے قریب تخت پر بٹھایا، اسے اپنی لڑکی بنالیا اور رانی کا خطاب دیا۔لیکن یہ شاہی مہربانیاں لڑکی کو اپنے ارادے اور مذہبی عقیدے کی تعمیل سے باز نہیں رکھ سکیں۔اکبر نے اپنے لڑکے شاہزادہ دانیال کو اس کی ستی کے لیے شاہانہ انتظام کا حکم دیا اور لڑکی ستی ہو گئی۔

داستان موہنی و موہنی، قصہ کامروپ، منوہر و مدھو مالتی، مہتا و لورک، عاشقان بنارس، رانی چندرا کرن و راجہ چترا مکت، لدھا فقیر، ہیر رانجھا، سسی پنوں، سوہنی مہیوال، میرزا و صاحبان، چنیسر نامہ، بہار دانش، ہیر من طوطی، لیلاوتی و ملا بلرام، گل بکاؤلی، پرہلاد نامہ، افسانۂ رانی کیتکی۔ وہ ہندوستانی داستانیں ہیں جو بار بار یا فارسی میں ترجمہ کی گئی ہیں یا بیان کی گئی ہیں۔

فارسی میں ایک داستان افسانۂ محبت کا ذکر اس لیے ضروری ہے کہ اسے کچھ ترمیم و اضافہ کے ساتھ خدائے سخن میر تقی میر نے دریائے عشق کے نام سے اردو میں نظم کیا ہے اور مصحفی نے بھی اپنی مثنوی بحر المحبت میں یہی داستان بیان کی ہے۔اردو میں بھی داستانوں کا ایک ذخیرہ موجود ہے۔ لازمی طور پر ان میں بعض ایسی داستانیں ہوں گی جو یا فارسی سے اردو میں ڈھالی گئی ہیں یا فارسی داستانوں کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہیں۔یہ ایک اہم کام ہے جو انجام دیا جانا چاہیے۔

جن دوسرے موضوعات پر ہندوستانی کتابوں کے فارسی تراجم کیے گئے ان میں موسیقی، طب، جادو، نجوم، علم ہیئت و جغرافیہ، ریاضی وغیرہ شامل ہیں۔ان میں سے صرف چند کتابوں کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

سنگیت رتنا کر ہندوستانی موسیقی پر سنسکرت میں ایک اہم اور معتبر کتاب ہے۔بہلول لودی (م

۸۹۴/ ۱۴۸۹) اور سکندر لودی (۱۴۸۹ـ۱۵۱۷) کے ایک امیر میاں بہرہ کے اشارہ پر اس کا حماد یحییٰ کابلی نے فارسی میں لہجات سکندر شاہی و لطائف نامتناہی کے نام سے ترجمہ کیا تھا۔ مان کنوحل ہندوستانی موسیقی پر گوالیار کے راجا مان ٹومر کی تصنیف ہے۔ فقیر اللہ نے اس کو فارسی کا جامہ پہنایا۔ دلچسپ بات ہے کہ اس نے موسیقی پر ایک رسالہ بودھ پرکاش لکھا تھا۔ یہ اب دستیاب نہیں لیکن حکیم محمد اکبر ارزانی دہلوی نے اورنگ زیب کے دور میں اس کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا جو موجود ہے۔

ریاضی پر لیلاوتی کو اکبر کے حکم سے فیضی نے فارسی کا جامہ پہنایا تھا۔ بھاسکر اچاریہ کا یہ رسالہ حساب دانوں میں بہت معروف اور اہمیت کا حامل ہے۔ اس کے فارسی ترجمے کے بیس پچیس خطی نسخے ملتے ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ یہ مختلف ادوار میں برابر ریاضی دانوں کے مدنظر رہا۔ اچاریہ ہی کو ریاضی پر ایک دوسری کتاب بیج گنت ہے جس کا شاہ جہاں کے دور میں تاج محل کے انجینئر استاد احمد معمار کے لڑکے عطاء اللہ رشیدی نے فارسی میں ترجمہ کیا ہے۔

سنسکرت اور دوسری ہندوستانی زبانوں سے فارسی میں تراجم یا ان کے مطالب کو فارسی میں پیش کرنے کے سلسلے میں یہ ایک اجمالی گزارش ہے۔ اس کی بنیاد پر کچھ اہم نتائج نکالے جا سکتے ہیں۔ مثلاً

یہ تراجم بہت بڑی حد تک اپنے اپنے اصل متون کے مطابق ہیں۔ مذہبی کتابوں کے ہندو پڑھنے والوں یا ان کے غیر مسلم ہندو کاتبوں نے ان میں کسی انحراف کی نشان دہی نہیں کی ہے، جو اس حقیقت کا ترجمان ہے کہ ان کے لکھنے والوں نے جن میں بڑی تعداد مسلمانوں کی تھی۔ عمداً یا اتفاق سے بھی کوئی انحراف نہیں کیا اور یہ کام دل سے انجام دیا علم و معرفت کی روشنی عام کرنے کے لیے۔

بڑی تعداد تھی ایسے ہندوؤں کی جو اپنی مذہبی کتابیں بھی ان کے فارسی تراجم سے پڑھتے تھے اور اس کا ثبوت ان کتابوں کے بڑی تعداد میں قلمی نسخوں کا دستیاب ہونا ہے اور بعض کتابوں کا ہندو فرماں رواؤں اور امرا وغیرہ کے اشارہ پر فارسی میں ترجمہ کیا جانا ہے۔ بعض کتابوں کے اصل سنسکرت متون اب موجود نہیں، لیکن اپنے فارسی تراجم یا فارسی روایات میں یہ آج بھی محفوظ ہیں۔

ہندو اور مسلم دانشوروں نے ایک دوسرے کے مذہبی، سماجی، سیاسی اور ادبی معاملات کو سمجھنے اور پھر سمجھانے کے لیے ایک دوسرے سے خلوص نیت اور بہ طیب خاطر تعاون کا حق ادا کر دیا اور علم و

معرفت کی شمع کو کسی حال میں بجھنے نہیں دیا۔

چند کتابوں کے فارسی تراجم ہی سے خارجی زبانوں جیسے انگریزی، جرمنی اور فرانسیسی میں تراجم کیے گئے۔

ہندوستانی زبانوں سے فارسی میں تراجم کا قرون وسطی میں شروع سے آخر تک کام برابر کیا جاتا رہا اور خاص طور پر سنسکرت اور فارسی کے دانشور اس پورے لمبے عرصے میں اس اہم کام سے کبھی غافل نہیں رہے اور یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ قرون وسطی میں علمی، تحقیقی اور ادبی میدانوں میں علمی پیاس بجھانے کے لیے وہ سب کچھ کیا گیا جو اس وقت ممکن اور بس میں تھا۔ صرف اتنا ہی نہیں بھگوان داس ہندی نے فارسی شعرا کے اپنے مشہور تذکرہ سفینۂ ہندی میں اطلاع دی ہے کہ میر محمد ہاشم محترم کو تو مہابھارت زبانی یاد تھی (۳)۔ راقم نے ان تراجم وغیرہ کے دو ہزار پانچ سو سترہ قلمی نسخوں اور مطبوعہ ایڈیشن کا پتا لگایا ہے جو میری کتاب A Descriptive Catalogue of Persian Translations of Indian Works میں دعوت مطالعہ دے رہے ہیں۔

اس صورت حال کے نہایت کارآمد اور دور رس نتائج برآمد ہوئے۔ بھگتی تحریک پر اسلامی تصوف اور اس علمی تعاون کے واضح اثرات کی نشان دہی کی جا چکی ہے۔ فارسی شعرا کے ہاں ایسے افکار کی گونج بارہا سنائی دیتی ہے۔ جیسے:

رموز سبحہ و سجادہ صالحان دانند　　زمن مپرس کہ من کیش برہمن دارم

"تسبیح اور سجدہ گاہ کے بھید تو صالح لوگ جانیں، مجھ سے نہ پوچھو، میں نے تو برہمن کا طریقہ اپنا لیا ہے"۔

غالب نے اپنے فکر کے سومنات میں آنے کی دعوت دی ہے:

بہ سومنات خیالم درآی تا بینی　　روان فروز برو دوشھای زنّاری

علامہ اقبال نے رام چندر جی اور دیگر ہندوستانی دانشوروں اور مفکروں کی مدح سرائی کی ہے۔

یہ سب اسی تعاون اور اس کے تحریری اسناد کا اثر تھا جس کا ذکر کیا گیا ہے۔

مزید برآں اگر غور کیا جائے تو یہ صحیح ثابت ہوگا کہ ۱۸۵۷ میں سامراجی طاقت کے خلاف پہلی مگر ناکام جنگ آزادی اور پھر اس سے کوئی سو برس بعد دوسری مگر کامیاب جنگ آزادی میں ہندوستانیوں کا بلاتفریق مذہب و ملت ایک دوسرے کے ساتھ جی جان سے تعاون اور ہر نوعیت کی

قربانی میں بھی انہی گذشتہ صدیوں کی پرامن رہنے کی خواہش اور ایک دوسرے کا ساتھ دینے کا جذبہ کارفرما رہا ہے۔

آج بھی اگر کوئی ناسمجھ اس مشترکہ تہذیب کے طور طریقوں سے کھلواڑ کرتا ہے۔ ان کا خیال نہیں کرتا اور اپنی ذاتی اغراض کی وجہ سے اس ملی جلی ہندوستانی فکر کو روندنے لگتا ہے، تو بڑی تعداد میں ایسے دانشور موجود ہیں جو اس کے خلاف سینہ سپر ہو جاتے ہیں۔ یہ رویہ باہمی یگانگت اور مسالمت آمیز زندگی کے لیے ہمارے اسلاف کی جد و جہد کی تصدیق، ایک خوش آیند صورت حال اور ہندوستان کی پروقار عظمت کا ضامن ہے۔

دعا اور کوشش کیجیے کہ اس خواہش وجذبے کی تب وتاب اور اس نغمے کی لے، کسی حال میں بھی دھیمی نہ پڑے تاکہ ہمارا ملک انسانیت، انسان دوستی اور ہمزیستی کے اپنے روایتی راستے پر گامزن رہے۔

حوالے

(۱) یہ داستان اخبار الخلفاء والبرامکہ سے عیون الانبیاء میں نقل ہوئی ہے۔ (۲) یہ شری ہری ولبھ کے متصل مقدمے کے ساتھ شائع ہو چکی ہے۔ (۳) سفینۂ ہندی، ج ۲، مرتبہ ڈاکٹر حکیم اصغر، تہران ۲۰۱۱ء، ص ۶۵۹۔

اسلامی علوم وفنون، ہندوستان میں

ترجمہ: ابوالعرفان ندوی

یہ مولانا حکیم سید عبدالحئی مرحوم کی ''الثقافة الاسلامیہ فی الھند'' کا اردو ترجمہ ہے۔ شروع میں ہندوستان کے نصاب درس کے تغیرات اور اس کے ادوار پر مشتمل مصنف کا شاندار مقدمہ ہے۔ اس کے بعد کتاب کو چار ابواب میں منقسم کرکے ہندوستان میں لکھی جانے والی مختلف زبانوں میں کتابوں کی تفصیل درج ہے۔ فارسی زبان میں لکھی گئی کتب لغات ونحو و شروح اور طب، فلسفہ وحکمت، علم المناظر، علم الحساب، فن جبر ومقابلہ، علم ہیئت وغیرہ کی اہم فارسی کتابوں کا تذکرہ بھی مجملاً کردیا گیا ہے۔ قیمت =/۳۵۰ روپے

امیر حسن نورانی اور منشی نول کشور

پروفیسر علیم اشرف خان

جب تک مطابع کا ذکر ہوگا منشی نول کشور کو یاد کیا جاتا رہے گا، ٹھیک اسی طرح امیر حسن نورانی بھی ایک محقق سادہ کے طور پر زندہ رہیں گے جنھوں نے منشی نول کشور پر متعدد مقالات، فہرست کتب اور چند کتابیں بھی تحریر کی ہیں۔ امیر حسن کی خدمات کو سمجھنے کے لیے ان کی ایک کتاب "منشی نول کشور حالات اور مقدمات" جو مکتبہ صبح ادب سے ۱۹۸۲ء (۱) میں شائع ہوئی تھی۔ اس لیے اہم ہے، اس میں احوال واقعی کے ضمن میں خود مولف نے کچھ نہایت اہم اور تاریخی اطلاعات سپرد قلم کی ہیں۔ ان کی اس تحریر میں ایک وارفتگی اور یک گونہ تعلق کا احساس شدت سے ہوتا ہے۔ وہ رقم طراز ہیں:

"زبان یا قلم کی نوک پر جب منشی نول کشور کا نام آتا ہے معاً اسی کے ساتھ مختلف علوم وفنون اور متعدد زبانوں کی ہزاروں کتابوں کے تصور سے دل ودماغ پر ایک حیرت خیز انبساط آمیز کیفیت طاری ہوجاتی ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم نے علم وفن کے بحر بے پایاں میں غوطہ لگایا، کسی انسان کی اس سے بڑھ کر خوش قسمتی اور نیک نامی کیا ہوسکتی ہے کہ اس کا نام اور علم لازم وملزوم سمجھے جائیں اور ایک کے ساتھ دوسرے کا خیال غیر ارادی طور پر آجائے۔ ایسی ہستیاں شاذ ونادر ہوتی ہیں اور صدیوں میں پیدا ہوتی اور میں بلاخوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ منشی نول کشور کی ہستی ایسی ہی تھی"۔ (۲)

اس میں کوئی شک نہیں کہ منشی نول کشور مشرقی علوم کے بڑے محسن تھے اور بقول امیر حسن نورانی ان کا مطبع علمی وادبی دنیا میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان کی گراں قدر علمی خدمات محتاج تعارف نہیں۔ اسلامی علوم وفنون کی جو خدمات ان کے ہاتھوں انجام پائیں ان کو انفرادی یا اجتماعی حیثیت سے کوئی انجام نہ دے سکا۔ ہندوستان، پاکستان، ایران اور مشرق وسطیٰ کے ممالک میں ان کی شہرت عام

شعبۂ فارسی، دہلی یونیورسٹی۔

ہے۔ یورپ اور امریکہ کے مستشرقین نے ان کی بے مثل خدمات کو سراہا ہے، ان کی بدولت ایسی نادرو نایاب کتابیں منظر عام پر آئیں جن سے علوم وفنون کے سلسلہ ارتقا کی تاریخی کڑیوں کو مربوط کرنے میں مدد ملی۔ اودھ اخبار کا اجرا ان کا بہت بڑا کارنامہ ہے، فن خطاطی کو منشی نول کشور کی بدولت نئی زندگی ملی۔ ملک کی صنعتی ترقی میں ان کی خدمات قابل قدر ہیں، یقیناً وہ اپنے عہد کی ایک اہم شخصیت تھے۔

امیر حسن نورانی صاحب کا تعلق شہر لکھنؤ سے تھا۔ وہ منشی نول کشور کے مطبع میں کام کرتے تھے اور ان کے ایک بھائی انوار صاحب علوم مشرقیہ لکھنؤ یونیورسٹی میں فارسی کے استاد تھے۔ جب شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی نے اشاعت کتب کا پروگرام بنایا تو امیر حسن نورانی صاحب کو اس کا انچارج متعین کیا۔ انھوں نے علی گڑھ میں آل احمد سرور صاحب کے لیے بھی اشاعتی کام انجام دیے تھے، اپنے متعلق لکھا ہے:

''راقم الحروف نے ۱۹۴۹ء سے اب تک (یعنی ۱۹۸۲ء) تک منشی نول کشور کے حالات پر متعدد مضامین لکھے جو ہندوستان و پاکستان کے رسائل میں شائع ہوئے اور بہت سے لوگوں نے ان کے مکمل حالات زندگی مرتب کرنے کے لیے توجہ دلائی۔ میں نے مواد کی فراہمی شروع کردی لیکن ۱۹۵۴ء کے لگ بھگ علی گڑھ یونیورسٹی میں سید حسن ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا قیام عمل میں آیا جو امریکہ میں مقیم ایک علم دوست ہندوستانی تاجر عطاء اللہ درانی مرحوم کے گراں قدر عطیہ کے باعث وجود میں آیا تھا اور اس انسٹی ٹیوٹ میں پہلے غالب اور نول کشور پر تحقیقی کام شروع ہوا۔ انسٹی ٹیوٹ کے نگراں، اردو کے ممتاز ادیب اور نقاد پروفیسر آل احمد سرور مقرر ہوئے۔ منشی نول کشور پر تحقیقی کام کے سلسلے میں ایک ریسرچ اسسٹنٹ کا تقرر عمل میں آیا۔ سرور صاحب کی خواہش پر میں نے اس کام میں تعاون کا وعدہ کیا اور اس کو پورا بھی کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ میں نے نول کشور پر لکھنے کا ارادہ ترک کردیا، کیونکہ ایک بڑے ادارے نے کام شروع کردیا تھا اور میں ابھی ان سے تعاون کررہا تھا لیکن کئی سال بعد معلوم ہوا کہ انسٹی ٹیوٹ ختم کردیا گیا، پھر یہ پتہ بھی نہ چلا کہ جو کام ہو چکا تھا وہ کیا ہوا؟ مجھے اس کام کے اچانک ختم ہوجانے سے بے حد افسوس ہوا۔ اب میں نے دوبارہ فراہمی مواد کی طرف توجہ کی مگر اس بار دوسری اہم مصروفیات کے باعث اس کام کے لیے زیادہ وقت نہ صرف کرسکا۔ ۱۹۸۰ء کے دوران اردو کے بعض رسائل نے ''نول کشور نمبر'' شائع کیے جن میں نیا دور لکھنؤ کا نمبر نہایت گراں قدر

مضامین پر مشتمل ہے۔اس میں میرے متعدد مضامین خاص نمبروں میں شائع ہوئے۔تاہم بعض احباب کا اصرار تھا کہ ان کے حالات اور خدمات پر سر دست ایک مختصر مگر جامع کتاب کی اشاعت ضروری ہے کیونکہ ان کی کوئی سوانح مرتب نہیں کی گئی ہے۔اس خیال کے پیش نظر اس کتاب کی تالیف عمل میں آئی۔اختصار کے باوجود کوئی اہم بات نظر انداز نہیں کی گئی۔

کتاب کی طباعت شروع ہو چکی تھی کہ اتفاق سے کچھ کتابت شدہ اجزا ضائع ہو گئے۔ان کے ساتھ اصل مسودہ بھی تھا۔اس کے طبع شدہ فارم عرصے تک پڑے رہے۔دوبارہ لکھنے کا موقع بہت دنوں بعد ملا۔اس لیے عنوانات کی ترتیب میں تسلسل قائم نہ رہ سکا جس کو قارئین محسوس کریں گے۔

ایک اور بات جو نورانی صاحب نے اس کتاب میں احوال واقعی کے ضمن میں درج کی ہیں نہایت اہم ہے۔وہ تحریر کرتے ہیں:

''اس کتاب کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مطبع نول کشور کے متعلق خود منشی نول کشور کا ایک نایاب مضمون بھی شامل ہے۔اسی کے ساتھ ایک مضمون منشی رام جی داس بھارگو کا ہے جو انہوں نے منشی نول کشور کی وفات پر لکھا تھا اور ''اودھ ریویو'' میں شائع ہوا تھا۔ان دونوں مضامین کی افادیت مسلم ہے،میں مطبع منشی نول کشور کے وارث ڈاکٹر کنور رنجیت کمار بھارگو کا خاص طور سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ ان کے مسلسل اصرار اور مواد کی فراہمی میں مدد اس کتاب کی تالیف میں معاون ثابت ہوئی''۔(۳)

اس کتاب کے حوالے سے ایک بات تو بلا شک واضح ہو جاتی ہے کہ امیر حسن نورانی نے منشی نول کشور اور ان کے مطبع کی تشہیر اور اشاعت میں اپنی تمام صلاحیتوں کو عملی شکل میں یکجا کر دیا ہے۔ ان کی کتاب ''منشی نول کشور حالات اور خدمات'' میں ایسے کئی مضامین ہیں، جو نہایت تاریخی اہمیت کے ہیں ایک مضمون میں خود منشی نول کشور نے اپنے مطبع کے کاتبین، منشی اور منیجر وغیرہ کو اچھے انداز میں یاد کیا ہے جو واقعی طور سے اپنی ذاتی لگن، محنت اور کاوش کے باعث منشی نول کشور کے مطبع کو مشرقی علوم کا ایک ایسا چھاپہ خانہ بنانے میں کامیاب رہے جو تادیر یاد کیا جاتا رہے گا۔منشی نول کشور نے یہ مضمون ۸ر جنوری ۱۸۶۲ء/ ۷ر رجب المرجب ۱۲۷۸ھ بروز چہار شنبہ اودھ اخبار نمبر ۲، جلد ۴ میں سپرد قلم کیا تھا جس میں مطبع کی سرگرمیوں اور کارکنوں کی کارگذاریوں کا تذکرہ جذباتی ہے۔نیز یہ مضمون اودھ اخبار

کے صفحہ اول تا صفحہ ۵ پر محیط ہے۔ ملاحظہ ہو ان کا جذباتی انداز بیان:

"نئے سال کا آغاز ہوا، چوتھی جلد اودھ اخبار کی شروع ہوگئی۔ تین سال گذشتہ کی ترقی مطبع نول کشور کی، جو عنایت ایزدی سے یوماً فیوماً آشکار ہوئی، کروڑ کروڑ اس کا شکریہ لاکھ لاکھ زبان سے ادا ہو نہیں سکتا۔ واقعی ذرّے سے آفتاب تاباں کردیا۔ اس صوبہ اودھ کے حکام والا مقام اور راجاؤں، بابوؤں اور شاہزادوں وغیرہ خاص و عام میں رفعت و منزلت بخشی۔ ایسی ایسی مفید عام باتوں کی اشاعت کی توفیق بخشی کہ اس مطبع کے اجرا کا سلوک صوبہ اودھ کے متوطنوں سے مدت دراز تک یاد رہے گا۔

ایسی ایسی عمدہ خدمتیں اکثر سرکاری کاموں کے جلد اجرا کرنے میں بجالائی گئیں کہ سارے ہمارے پیشگان ہند نے اس کو مسلم الثبوت رکھ کر اس مطبع کی لیاقت کو تسلیم فرمایا۔ تجارت کتب کا ہزاروں روپیہ کا مال برآمد ہوا۔ حسن نظر احباب سے سب کارپردازان مطبع مورد ستائش ہوئے۔ اس لیے یہ ذرہ بے مقدار، ہیچ میسر نول کشور پروپرائٹر مطبع اپنے اعتقاد دلی سے جملہ حکام والا مقام صوبہ اودھ بلکہ حکام سررشتہ تعلیم مخصوص جناب فیض مآب مسٹر ریڈ صاحب بہادر ڈائریکٹر پبلک انٹرکشن ممالک مغربی و شمالی کا سپاس گذار ہوں۔ جن کی اندک توجہ سے مطبع کا ستارۂ اقبال اوج ترقی پر پہنچا۔ پھر جملہ اکابر و رؤسا و عنایات فرمایان نزدیک و دور کا شکریہ ادا کرتا ہے کہ اپنے اپنے حسن توجہ اور لطف باطنی سے عنایات مستقلاً فرمائی کہ آج ہزار گونہ رونق سے مطبع کی شادابی اور سرسبزی احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔

یہ سب باتیں جو آپ لوگوں کے سامنے گزارش کیں ایک پرتو توجہ جناب خداوند نعمت، مرکز دائرۂ حشمت و رفعت کرنل ایبٹ صاحب بہادر کمشنر و سپرنٹنڈینٹ اودھ کو جن کے عواطف جمیل کا سپاس اگر ہر موئے بدن ایک زبان پیدا کرے عمر بھر ممکن نہیں اور تو کیا کہیے اس شعر کا مضمون راست آتا ہے ؎

شکر فیض تو چمن چوں کند اے ابر بہار　　که اگر خار و گر گل، همه پروردهٔ تست

ہر چند اس مطبع کی بلند نامی اور اقتدار عالی کا کوئی دشمن خواب میں دکھائی نہیں دیتا پھر بھی ؎

دیدۂ بد خواہ بر کندہ باد　　عیب نماید ہنرش در نظر

ایسے حضرات ناخدا ترس، سینۂ سیاہ جو چاہیں کہیں، جھک ماریں، بکیں ؎

گر نبیند بروز شب پرہ چشم　　چشمۂ آفتاب را چہ گناہ
راست خواہی ہزار چشم چناں　　کور بہتر نہ آفتاب سیاہ　　(سعدی شیرازی)

اب فی الجملہ نفس الامر کی طرف توجہ فرما کر اگر ہمارے ناظرین اودھ اخبار اور وہ بزرگان باوقار جن کو اس مطبع سے فائدہ پہنچا ہمارے ساتھ متفق اللفظ ہو کر اس مطبع کے کارپردازوں کا شکریہ ادا فرمائیں منت بحال راقم صحیفہ ہے۔ مولوی محمد ہادی علی صاحب، مصحح مطبع یہ بزرگ وہ ہیں کہ جن کے صرف متبرک نام سے جو ہر علوم معرض عرض میں آتا ہے۔ علما اور فضلا کا سرمایہ افتخار کوئی علوم وفنون متعلقہ عربی وفارسی اور دیسی زبان کا ایسا نہیں جس کے واسطے استاد مسلم نہ ہوں۔ اسی وجہ سے قلم روہند میں مجھ کو دعویٰ ہے کہ کوئی اہل مطابع اپنے ہم پلہ نہیں۔ منشی شیو پرشاد منیجر مطبع، یہ شخص خاندانی باتوقیر ہے لیاقت وسنجیدہ شعاری میں بے نظیر ہے۔ اس سے پہلے محرری اودھ اخبار پر مقرر تھے لیکن اپنی جبلی لیاقت اور روشن وحسن کاردانی سے خاطر خواہ مطبع کے کام میں مدد دیں گے۔

شیخ نثار علی، داروغہ مطبع لیتھوگرافک، یہ بزرگ عالی منش سن شعور سے اس وقت تک ۷۰ برس سے متجاوز ہیں۔ عمدہ کاروبار میں رہے اور پتھر کے چھاپے خانوں کے امور میں کارکردۂ انتخاب ہیں کوئی دقیقہ ان سے فروگذاشت نہیں ہوتا۔ فن طبع کے استاد جہاں دیدہ، لاجواب ہیں۔ تجارت کتب درسیہ میں ان کا مطبع مرتضوی عہد شاہی میں مشہور عام تھا، اتفاقات حسنہ سے قریب ڈیڑھ برس کے گذرا۔ تبرکاً و تیمناً شیخ صاحب موصوف کا قیام مطبع کی خدمت داروغگی پر ہے واقعی ان کے حسن نیت وتدابیر سے اشاعت تجارت کتب درسیہ کے ابتدائے تشریف آوری سے آج کے دن ترقی کارخانہ شہادت دیتی ہے۔

میر حشمت علی، مصلح سنگ نے ابتدا سے اس دم تک جو جو مشکل کام پیش آئے مستقلانہ کوشش سے اس خوبی کے ساتھ انجام دیے۔ اکثر کاغذات وکتب مطبوعہ مطبع کا کوئی دعویٰ مقابلہ نہیں کرسکتا یہ شخص بھی رکن عظیم مطبع کے ہیں۔ شیخ امیر علی، نقاش، استاد مانی وبہزاد، منشی علی محمد خان پرنٹر، خوش نویسان جادو نگار، عمدہ روزگار ہیں۔ امیر اللہ صاحب متخلص تسلیم ومنشی اشرف علی اشرف ومنشی گوبند پرشاد فضا مصنف مثنوی گلزار فضا ومنشی جوالا پرشاد، منشی امداد حسنین، حافظ علی بخش، لالہ پیارے لال ولالہ جانکی پرشاد وغیرہ اور پریس مینوں میں تین سو آدمی کا منت کش ہوں کہ اپنی اپنی دل سوزیاں ظاہر کرکے مطبع کو اوج پر پہنچایا اپنے کو ملک ہندوستان کے اندر نام آور کیا اور اسی طرح ہم اپنے دوسرے کارخانے، عظیم الشان

انگریزی ٹائپ اور فارسی ٹائپ اور سنسکرت و ناگری کے کار پردازان کا بہ دل سپاس ادا کرتے ہیں۔ خصوصی مسٹر ڈبلیو والٹر ولیمس صاحب، سپرنٹنڈنٹ ہمارے انگریزی مطبع کے اور مسٹر راسمس صاحب ہیڈ اکاونٹنٹ مطبع اور مسٹر کلاڈیس صاحب اور مسٹر گومس صاحب اور مسٹر الگزنڈر صاحب اور مس پھول وغیرہ کہ جنھوں نے اس مطبع کو ایسی ترقی دی کہ انگریز کے کارخانوں سے سبقت کہیں لے گیا۔ حق تو یہ ہے کہ اس بحر طویل کو ہم جس قدر طول دیں مختصر ہے۔ غرض یہ حسن انتظام و اہتمام اور سب ترقی مناصب و اقتدار محض عنایت ایزدی بے مثال و دادار لایزال خداوند تعالیٰ سے ہے جس کا شکر یہ ہر لحمہ ورد زبان رہنا یوماً فیوماً باعث ازدیاد نعمت ہے چنانچہ حضرت شیخ سعدی کا مقولہ ہے کہ:

''بہ شکر اندرش مزید نعمت، ہر نفسی کہ فرو میرود ممد حیات است و چون برمی آید مفرح ذات۔ پس در ہر نفسی دو نعمت موجود است و بر ہر نعمتی شکری واجب

از دست و زبان کہ بر آید	کز عہدۂ شکرش بدر آید

یہ مطبع ایسی انجمن گاہ علم و ہنر ہے جس کو اہل دانش غنیمت سمجھیں۔ دیکھ کر خوش ہوں بڑی فرخندہ فالی اور بہروزی کی بات ہے کہ اس طرح کا اجتماع میسر آئے ایسا سامان یکجا ہو۔ ہر کام کا دستور ہے کہ جب اسباب درست اور کار پرداز اچھے ہوں تو بن پڑتا ہے، پسند کے قابل ہوتا ہے ورنہ یوں تو سب ہی اپنی اپنی کاردانی کر لیتے ہیں۔ اہل انصاف اگر غور فرمائیں ہماری سی نہ کہیں، خدا لگتی کہیں تو تہذیب، حسن ترتیب، تصحیح، چھاپے کی صفائی، خوش خطی اور سب امور کچھ ہمارے بیان کے محتاج نہیں، مثل مشہور ہے کہ ''عیاں راچہ بیاں'' خدائے بسیار بخش بے منت دہ کا کون کون احسان زبان پر لایئے، ماشاءاللہ اس وقت ٹیپ کے سوا صرف لیتھوگرافک کی ۲۵ یا ۲۶ کلیں رواں ہیں۔ ممکن ہے کہ بہتیری چھوٹی چھوٹی کتابیں ایک ہی دن میں ہزار ہا نسخے اول سے آخر تک چھپ کر طیار ہو جائیں۔ بہر حال حافظ حقیقی دشمنوں کی چشم بد سے بچائے۔ دوستوں کی خاطر خواہ روز بروز ترقی کو پہنچائے۔ شعر ؎

سعادت یار و دولت ہم نشین باد	چنین خود ہست و تا بادا چنین باد'' (۴)

(نوٹ: آخر میں منشی نول کشور نے مختصر تمہید و تعارف کے بعد اصغر علی نسیم کا ایک قصیدہ نقل کیا ہے جو ان کی مدح میں لکھا ہے)

منشی نول کشور کے پریس کو دیکھنے کے لیے ۱۸۸۴ء میں ایک امریکی سیاح آئے تھے، جن کی

تفصیل سے منشی نول کشور اور ان کے پریس کے انتظام و انصرام پر بخوبی روشنی پڑتی ہے۔اس سیاح کے مطابق:

''ہندوستان کے دیسی باشندے جلد جلد مغربی طریقے اختیار کرتے جاتے ہیں اور قدیم مذاہب کے بیدار کرنے والوں میں ایک منشی نول کشور کا چھاپہ خانہ ہے۔اس مطبع سے جزیرہ نما ہندوستان کو کتابیں جاتی ہیں۔کشور ایک لائق شخص ہے اور پبلشر کی حیثیت سے بالکل بے تعصب ہے وہ ایک بڑا عالی دماغ اور پرحوصلہ شخص ہے اور اس کے مطبع میں اسلامی مذہبی کتابیں بہت کثرت سے طبع ہوتی ہیں لیکن وہ برہمنوں اور بدھ مت والوں کی کتابیں اسی مستعدی سے شائع کرتا ہے جس مستعدی سے اسلامی کتابیں اور رسالے چھاپتا ہے اور کم قیمت پر فروخت کرتا ہے۔چھاپہ خانہ نول کشور حضرت گنج میں واقع ہے۔چھاپہ خانہ کی عمارتیں بے شمار ہیں یہ کل عمارتیں ایک بڑے رقبہ کو گھیرے ہوئے ہیں اور صدہا آدمی ہر طرف اپنے اپنے کاموں میں مصروف نظر آتے ہیں۔اس مطبع میں نہ صرف ہندوستان بلکہ ترکی،افغانستان،عرب اور یورپ میں لوگوں کی فرمائشیں آتی ہیں اس مطبع کا رقبہ اس قدر بڑا ہے کہ یورپ میں اس کی قیمت پانچ لاکھ ڈالر سے کم نہ ہوگی۔(اس وقت ایک ڈالر ۲½ روپے کا ہوتا تھا)

اس میں بالغ اور کم سن لڑکے بہ تعداد کثیر زمین کے فرش پر کام کرتے ہیں۔کشور ایسا چالاک اور ہوشیار ہے کہ ولایت سے ٹائپ نہیں منگواتا بلکہ حروف ڈھالنے کا ایسا کرتب سیکھ لیا ہے۔پریسوں کے چلنے کے بہت کمرے ہیں۔ایک کمرے کے پریسوں کو میں نے شمار کیا اس میں ۶۱ تھے جو ہاتھوں سے چلائے جاتے تھے۔یہ کمرہ پریسوں اور آدمیوں سے ایسا کھچا کھچ بھرا ہوا تھا کہ اس میں حرکت کرنا محال تھا اور دم گھٹا جاتا تھا لیکن ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر تھا اور اپنے کام سے اس کو غرض تھی۔پتھروں کی تعداد بے شمار ہے اور ان کے چالان جرمن وغیرہ سے برابر چلے آتے ہیں۔کارخانۂ کشور میں تالیف وتصنیف کا بہت سا کام اندر ہی ہوتا ہے اور اگر اس کی کوئی نظیر میں نے دیکھی ہے تو اطبائن / ایمبائین کے کارخانے واقع پیرس میں دیکھی ہے جہاں مصنف بھی اس جگہ کام کرتے ہیں جہاں چھپائی کے متعلق کام ہوتے ہیں۔کارخانۂ کشور کا گودام عجائبات عالم میں سے ہے۔اس میں غیر مجلد کتابیں زمین کے فرش پر بڑی لمبی لمبی قطاروں میں چھت تک چنی ہوتی ہیں مجھ کو یہ امر فروگذاشت نہ کرنا چاہیے کہ علاوہ کتب اور رسائل کے یہ کارخانہ ایک روزنامہ اخبار بھی شائع کرتا ہے۔کشور کے مطبع میں جو لوگ بہ حیثیت پریس مین،جلد بند،سپاہی،محافظ،منشی اور کلرک وغیرہ کے کام کرتے ہیں،ان کی تعداد ایک

ہزار دوسو کم نہ ہوگی''۔(۵)

منشی نول کشور کے مطبع کی شاخیں کانپور، لاہور، پٹیالہ اور کپورتھلہ میں تھیں جن میں سے کانپور کی شاخ سب سے بڑی تھی۔منشی نول کشور نے اپنی زندگی میں علوم شرقی کی جو خدمات انجام دی ہیں وہ کسی بھی ایک شخص کی پہنچ سے باہر کی بات ہے علاوہ ازیں انہوں نے طلبہ کو وظائف دیے اور اپنی حیات میں تقریباً ½۲ لاکھ روپے سے زیادہ خیراتی کاموں میں صرف کیے تھے اور لکھنؤ میں ۱۵ور ۷ ہزار کی رقوم کے علاوہ ۱۵ ہزار روپے لیڈی ڈفرن فنڈ اور ۱۸ ہزار روپے کا گاؤں اور کئی ہزار روپے دے کر، مزید قوم کے لوگوں سے کثیر تعداد رقم جمع کرا کے ایک بورڈنگ ہاؤس تعمیر کیا تھا جو ''فن لے بورڈنگ ہاؤس'' کہلاتا اور اس کا افتتاح سرآکلینڈ کالون صاحب نے کیا تھا۔

منشی نول کشور نے بہت سے کالج اور لائبریریوں کو اپنی کل مطبوعات کی ایک ایک عدد جلد کا سیٹ مفت عطیہ دیا تھا جو کئی ہزار روپیوں کی تھیں ان کی ایک ناقص فہرست اس طرح ہے:

۱-میور کالج، الٰہ آباد۔ ۲- کائستھ پاٹھ شالا، الٰہ آباد۔ ۳- کیننگ کالج، لکھنؤ۔ ۴- کارمیکل لائبریری، بنارس (دوسیٹ)۔ ۵- پبلک لائبریری، فیض آباد۔ ۶- پبلک لائبریری، بریلی۔ ۷- بھارگو نیشنل ایسوسی ایشن، متھرا۔ ۸- بھارگو بورڈنگ ہاؤس، آگرہ۔ ۹- رفاہ عام کلب، لکھنؤ۔ ۱۰-لائبریری جموں وکشمیر، بیادگار مہاراجہ رنبھیر سنگھ۔ ۱۱-لائبریری جے پور، بیادگار مہاراجہ رام سنگھ۔ ۱۲-لائبریری پٹیالہ، بیادگار مہندر سنگھ۔ ۱۳-پنجاب پبلک لائبریری، لاہور۔ ۱۴-میوزیم لائبریری، لکھنؤ۔ ۱۵-دارالعلوم دیوبند لائبریری، دیوبند۔ ۱۶-انڈین انسٹی ٹیوٹ آف آکسفورڈ یونیورسٹی، آکسفورڈ، بنام مسٹر اسپارکس۔(۶)

امیر حسن نورانی صاحب کے دو مضامین اور دو کتابوں کا ذکر یہاں درج کیا جارہا ہے تاکہ نول کشور سے متعلق ان کے کاموں کا اندازہ ہوسکے یہاں یہ ذکر بھی دلچسپ ہے کہ ان کے پاس اودھ اخبار کا پہلا شمارہ بھی موجود تھا:

مضامین: ۱-غالب بحیثیت نامہ نگار، رسالہ اردو ادب، علی گڑھ، ۱۹۵۶ء۔ ۲-منشی نول کشور اور فارسی زبان وادب کی ترقی، نیادور نول کشور نمبر، نومبر-دسمبر ۱۹۸۰ء۔

کتب: ۱-سوانح منشی نول کشور، سید امیر حسن نورانی، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۹۵ء۔ ۲-منشی نول کشور اور ان کے خطاط وخوش نویس، امیر حسن نورانی، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، ۱۹۹۴ء۔

مذکورہ بالا کے علاوہ بھی ان کے مضامین کئی جرائد و رسائل میں شائع ہوئے ہیں۔ انہوں نے مطبع نول کشور کی کتابوں کی فہرست بھی مرتب کی تھی جس میں ۲۰۴۱ کتابوں کے نام، مصنّفین/مولفین اور مترجمین کے اسماء، کتاب کا سائز اور قیمت بھی درج کی گئی ہے۔ فہرست کتب مطبع نول کشور ۱۸۹۶ء کے مرتبین چندر سیکھر اور عبدالرشید نے ان کی اسی فہرست پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔ ''بقول نورانی یہ فہرست کتابوں کو دیکھ کر تیار کی گئی ہے۔ جب کہ ان کی فہرست کا بغور مطالعہ کیا گیا تو بعض اغلاط ایسی نظر آئیں جو محل نظر ہیں مثلاً ایک کتاب کا اندراج علاحدہ نمبر شمار کے تحت دو جگہوں پر درج ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نورانی نے جو ۲۰۴۱ کتابوں کی فہرست پیش کی ہے یہ تعداد صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح بعض مقامات پر مصنف کے نام میں بھی تسامح ہوا ہے''۔ (۷)

یوں تو منشی نول کشور اور ان کے مطبع پر کئی کتابیں مختلف زبانوں میں تحریر ہوئی ہیں مگر ایک محقق کے طور پر امیر حسن نورانی کی خدمات کا اعتراف بھی کیا جانا چاہیے، جو ''حق بہ حق دار رسید'' کے مترادف ہے اور یہی منشی نول کشور کا شعار بھی تھا۔

حوالہ جات

(۱) منشی نول کشور حالات اور مقدمات، امیر حسن نورانی، ضمن احوال واقعی، ص ۵۔ (۲) ایضاً۔ (۳) ایضاً، ص ۷ و ۸۔ (۴) اودھ اخبار نمبر ۲، جلد نمبر ۴، بروز چہار شنبہ، بتاریخ ۸/جنوری ۱۸۶۲ء۔ (۵) منشی نول کشور حالات اور مقدمات، امیر حسن نورانی، ضمن احوال واقعی، ص ۵۶ و ۵۷۔ (۶) ماخوذ از اودھ ریویو، فروری ۱۸۹۵ء۔ (۷) فہرست کتب مطبع منشی نول کشور، ۱۸۹۶ء، ص ۱۶۔

ماخذ

۱۔ منشی نول کشور حالات اور مقدمات، ناشر ادارہ اخوان الصفا، اردو بازار، دہلی ۱۹۸۲ء۔ ۲۔ ایضاً۔ ۳۔ ایضاً۔ ۴۔ اودھ اخبار نمبر ۲، جلد نمبر ۴، بروز چہار شنبہ، بتاریخ ۸/جنوری ۱۸۶۲ء۔ ۵۔ منشی نول کشور حالات اور مقدمات، ناشر ادارہ اخوان الصفا، اردو بازار، دہلی ۱۹۸۲ء۔ ۶۔ اودھ ریویو، فروری ۱۸۹۵ء۔ ۷۔ منشی نول کشور، سید امیر حسن نورانی، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۹۵ء۔ ۸۔ منشی نول کشور اور ان کے خطاط و خوش نویس، امیر حسن نورانی، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، ۱۹۹۴ء۔ ۹۔ فہرست کتب مطبع منشی نول کشور، ۱۸۹۶ء، دلی کتاب گھر، چندر شیکھر و عبدالرشید، دہلی، مارچ ۲۰۱۲ء۔ ۱۰۔ نیا دور، نول کشور نمبر، نومبر۔ دسمبر، ۱۹۸۰ء۔ ۱۱۔ رسالہ اردو ادب، علی گڑھ، ۱۹۵۶ء۔

مراتب توحید
سلطان سید اشرف جہاں گیر سمنانیؒ
کے افکار کی روشنی میں

ڈاکٹر شاکر حسین خان

حضرت سلطان سید اوحد الدین اشرف جہاں گیر سمنانیؒ آٹھویں صدی ہجری کے نامور صوفی بزرگ ہیں جن سے سلسلہ اشرفیہ کی ابتداء ہوئی، وہ ریاست سمنان (خراسان) کے حکمران تھے۔(۱)

اللہ تعالیٰ نے انہیں انسانیت کی اصلاح کے لیے منتخب فرمایا۔ چنانچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی محبت میں انسانوں کی فلاح کی خاطر بادشاہت کو خیر باد کہہ دیا اور خلق خدا کو نیکی کی راہ پر گامزن کرنے میں مصروف ہو گئے۔

اپنے والد ماجد سلطان سید محمد ابراہیمؒ کی وفات کے بعد سترہ سال کی عمر میں ریاست سمنان کے وارث بنے، ان کا میلان درویشی کی جانب تھا، اس لیے تھوڑے ہی عرصے بعد اپنے بھائی اعرف محمد سمنانیؒ کو تخت حکومت سپرد کر کے سلطنت سے دست بردار ہو گئے۔اس کے بعد انہوں نے ہندوستان کا سفر اختیار کیا۔سمنان کی فوج جو کچھ مرحلوں تک ان کے ساتھ تھی، ان کے حکم پر لوٹ گئی اور انہوں نے اپنا سفر تنہا اختیار کیا۔ایک مقام پر اپنا گھوڑا کسی ضرورت مند کے حوالے کر دیا اور پا پیادہ ہو گئے۔ ملتان کے راستے اُچ شریف پہنچے۔حضرت سید جلال الدین بخاریؒ (مخدوم جہانیاں جہاں گشت) سے ملاقات ہوئی۔انہوں نے انہیں اپنے بھائی شیخ علاء الحق والدین گنج بنات کی خدمت میں

معاون استاد شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی۔

پیش ہونے کا حکم دیا چنانچہ اُچ شریف سے دہلی اور بہار کا سفر طے کرتے ہوئے جنت آباد (پنڈوا شریف) پہنچے اور شیخ کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ حضرت شیخ علاء الحق والدین گنج نباتؒ نے سلسلہ طریقت چشتیہ نظامیہ میں بیعت فرمایا۔(۲)

مفتی محمد اطہر نعیمی فرماتے ہیں کہ:

> ''مخدوم صاحبؒ کی اولاد نے جس کا سلسلہ حضرت شاہ عبدالرزاق نورالعینؒ سے چلا، کچھوچھہ (بھارت) کے علاوہ دو تبلیغی مرکز اور بنائے۔ ایک شاخ نے بانس ضلع رائے بریلی (؟) کو مرکز بنایا تو دوسری شاخ نے بائیس خواجہ کی چوکھٹ (دہلی) کو مستقر قرار دیا''۔(۳)

وہ صاحب کرامت اور صاحب تصانیف بزرگ تھے۔ ان کی تعلیمات وارشادات کے سلسلہ میں جو کتابیں موجود ہیں ان میں ''لطائف اشرفی'' زیادہ مشہور ہے۔ یہ کتاب ان کی حیات میں خلیفہ مولانا نظام الدین یمنیؒ نے ترتیب دی۔ اس کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔(۴)

راقم الحروف کے زیر مطالعہ لطائف اشرفی کا حصہ اول ہے جس کے مترجم علامہ شمس بریلویؒ ہیں۔ جون ۱۹۹۹ء میں سہیل پریس پاکستان چوک کراچی سے طبع ہوئی۔ اس کے ناشر ندر اشرف شیخ محمد ہاشم رضا اشرفی ہیں۔

کتاب مذکورہ کا پہلا لطیفہ توحید اور اس کے مراتب پر مبنی ہے۔ راقم الحروف حضرت سید سمنانیؒ کے افکار کی روشنی میں توحید کے مراتب بیان کرنے کی سعی کر رہا ہے۔

عقیدہ توحید: اسلام کے بنیادی عقائد میں ایک اور پہلا عقیدہ توحید ہے۔ توحید کے معنی ایک اور یکتائی کے ہیں۔ کائنات کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے وہ واحد اور یکتا ہے تمام انبیاء کرام علیھم السلام اسی عقیدے کی تبلیغ اور اشاعت کرتے رہے۔

مخدوم شیخ سمنانیؒ توحید کی حقیقت اور اس کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں کہ: ''عاشق کا محبوب کی صفات میں فنا ہو جانا توحید ہے''۔(۵) اس قول سے اندازہ کیا جا سکتا ہے ان کا انداز نظر کیا تھا۔

توحید کے مراتب: شیخ سمنانیؒ نے توحید کے چار مراتب بیان کیے ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔ توحید ایمانی ۲۔ توحید علمی ۳۔ توحید رسمی ۴۔ توحید حالی

انہوں نے چاروں مراتب کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ملاحظہ فرمایئے۔

ا۔توحید ایمانی: فرماتے ہیں:

"توحید ایمانی یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ (عزوجل) کے اوصاف لاثانی اور اس کے ایک معبودِ حق ہونے کے اشارات اور دلائل جو قرآن اور حدیث میں بیان ہوئے ہیں ان کی دل سے تصدیق کرے اور زبان سے اقرار کرے"۔

"توحید ایمانی نتیجہ ہے خبر دینے والے کو سچا ماننے اور خبر کی سچائی پر اعتقاد رکھنے کا، اور یہ مرتبہ توحید، علم ظاہر سے حاصل ہوتا ہے۔توحید ایمانی اختیار کرنے سے انسان شرک جلی سے بچتا ہے اور دین اسلام میں داخل ہوتا ہے"۔(۶)

شرک جلی سے مراد کھلا شرک ہے۔اس کی بھی چار اقسام ہیں:(۱) ذات میں شرک۔(۲) صفات میں شرک۔(۳) عبادت میں شرک۔(۴) اقتدار میں شرک۔

توحید ایمانی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:"صوفیائے کرام، ضروریات دین کے حکم میں عام اہل ایمان کے ساتھ اس مرتبہ میں شامل ہیں البتہ دوسرے مراتب میں یکتا اور خاص ہیں۔اس مرتبہ پر قناعت کر لینا عجائز کا اختیار کرنا ہے"۔جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا۔**علیکم بدین العجائز** (یعنی بوڑھی عورتوں جیسا دین رکھو)۔(۷) (یعنی پختہ دین، پختہ عقیدہ اور پختہ نظریہ اختیار کرنا)

۲۔توحید علمی: شیخ سمنانیؒ فرماتے ہیں:

"توحید علمی علم باطن سے تعلق رکھتا ہے اور یہ باطن سے حاصل ہوتا ہے جس کو "علم الیقین" بھی کہتے ہیں۔اور وہ یہ کہ بندہ ابتدائے طریق تصوف میں ہی یقین سے اس بات کو جان لے کہ موجود حقیقی اور موثر مطلق سوائے اللہ تعالیٰ عزوجل کے اور کوئی نہیں اور جملہ ذوات وصفات وافعال اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات وافعال کے آگے بالکل ناچیز ہیں اور ہر ذات کے فروغ کو خداوند تعالیٰ کے نورِ حیات کا نتیجہ سمجھے اور ہر صفت کو اللہ تعالیٰ کی صفت مطلق کا عکس جانے۔بس جہاں کہیں قدرت، علم، ارادہ، سمع وبصر کا اثر دیکھے اس کو باری تعالیٰ کے سمع وبصر، علم وارادت وقدرت کا

اثر سمجھے۔اسی طرح تمام دوسری صفات وافعال پر قیاس کرے“۔(۸)

شیخ یہ بھی فرماتے ہیں کہ:

”یہ حالت وکیفیت اہل خواص واہل توحید کے اولین احوال کے مراتب میں سے ایک مرتبہ ہے“۔(۹) یعنی خواص پہلے اس مرتبہ پر فائز ہوتے ہیں پھر اگلے مرتبے کو پہنچتے ہیں۔

۳۔توحید رسمی: تیسرا مرتبہ توحید رسمی ہے۔جیسے ایک ہوشیار اور ذہین آدمی کتابوں کے مطالعہ سے یا کسی بزرگ سے سن کر توحید کے بارے میں گفتگو کرے اور بحث ومباحثہ میں بے مغز باتیں کرے لیکن حال توحید سے اس کے دل میں کوئی اثر نہ ہو۔(۱۰)

اس بات کو اقبال نے کیا خوب انداز میں بیان کیا ہے:

خرد نے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل دل ونگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں (۱۱)

شیخ سمنانیؒ فرماتے ہیں کہ:

”وجود انسانی جو کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا محض ایک ذرہ ہے اور فنا ہونے والا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو جو کہ قدیم ہے باقی رہنے والا ہے اور اس کی لامحدود صفات ہیں اس کی حقیقت کو کیسے جان سکتا ہے“۔(۱۲)

۴۔توحید حالی: چوتھا مرتبہ توحید حالی ہے اس مرتبہ میں توحید کی صفت لازم ہوجائے اور اس کے وجود کی جو تاریک علامات باقی رہ گئی ہیں، وہ نور توحید کی چمک میں گم ہوجائیں۔نور توحید اس کے وجود میں پوشیدہ طور پر داخل ہوجائے جیسا کہ تاروں کی روشنی آفتاب کی روشنی میں فنا ہوجاتی ہے۔

اس مرتبہ میں موحد کا وجود، واحد کے جمال وجود کے مشاہدہ میں ایسا غرق ہوتا ہے کہ واحد کی ذات وصفات کے سوا اس کی نگاہوں میں کچھ بھی نہیں سماتا۔یہاں تک کہ توحیدی اس توحید کو واحد کی صفت جانتا ہے اور اپنی صفت خیال نہیں کرتا اور اس مشاہدہ کو بھی اسی کی صفت قرار دیتا ہے اس طریقے میں اس کی ذات قطرہ آب کی طرح سمندر کی موجوں میں گرتی ہے اور اس میں ڈوب کر گم ہوجاتی ہے۔(۱۳)

شیخ سید سمنانیؒ فرماتے ہیں کہ:

''مشاہدہ (ذات) کے وقت آلام کا ادراک واحساس نہیں ہوتا ہے۔اس لیے کہ لذت شہود جاری وساری ہوتی ہے''۔

اور یہ کہ:

''ایک شخص کو سو کوڑے لگانا تھے اس کو ننانوے کوڑے لگائے گئے اور وہ مضطرب نہیں ہوا لیکن آخری کوڑے پر بہت چیخا چلایا اور بے قرار ہوا۔اس سے اس کیفیت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو اس نے کہا کہ ۹۹ کوڑے تک میں مشاہدۂ محبوب میں غرق تھا۔لذت مشاہدہ کے باعث مار کی تکلیف محسوس نہیں ہوئی لیکن آخری کوڑے پر میں اس مشاہدہ سے محروم تھا،اس کی یاد سے غافل تھا اس لیے چوٹ محسوس ہوئی''۔(۱۴)

اس مرتبے کو ہم ان عورتوں کی مثال سے بھی سمجھ سکتے ہیں جنھوں نے سیدنا یوسف علیہ السلام کا دیدار کیا اور اپنا ہوش کھو بیٹھیں اور اپنی انگلیاں کاٹ لیں اور انھیں احساس بھی نہیں ہوا اور نہ تکلیف محسوس ہوئی۔(فَلَمَّا سَمِعَتۡ بِمَكۡرِهِنَّ اَرۡسَلَتۡ اِلَيۡهِنَّ وَاَعۡتَدَتۡ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتۡ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنۡهُنَّ سِكِّيۡنًا وَّقَالَتِ اخۡرُجۡ عَلَيۡهِنَّ فَلَمَّا رَاَيۡنَهٗۤ اَكۡبَرۡنَهٗ وَقَطَّعۡنَ اَيۡدِيَهُنَّ وَقُلۡنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيۡمٌ)

بس یہی صورت حال مرتبہ توحید حالی میں توحیدی کی ہوتی ہے۔

شیخ سید سمنانیؒ فرماتے ہیں:

''جب طالب صادق میں بطور خاص مراقبہ کرتا ہے تو اس کا وصف لازم ہوجاتا ہے جیسے کان میں سننے کی قوت اور آنکھ میں دیکھنے کی قوت۔چنانچہ نورِ شہود کا ظہور اور حضور وجود کا صدور اس قدر غالب آجاتا ہے کہ کبھی کبھی اس سے حواس قطعی طور پر کام نہیں کرتے''۔(۱۵)

فرماتے ہیں:

''جب شہود کی آگ کسی عارف کے وجود کی انگیٹھی میں جلتی ہے اور

شعلہ زن ہوتی ہے تو اس حالت میں اگر عارف کسی پر شرارہ بہ مقدار تصرف کرلے جب بھی اس کا اثر سرایت کرے گا''۔(۱۶)

''مشاہدے کی بدولت ہر شخص کو اس کے تصفیہ قلب اور تزکیہ باطن کے اعتبار سے مختلف مراتب حاصل ہوتے ہیں۔ یکساں طور پر حاصل نہیں ہوتے''۔

''توحید حالی کا منشا نورِ مشاہدہ ہے اور توحید علمی کا منشا نورِ مراقبہ ہے۔ اس توحید حالی میں اکثر رسوم بشریت فنا ہوجاتے ہیں۔ توحید علمی میں بہت کم، رسوم بشریت فنا ہوتے ہیں اور کچھ باقی رہتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ توحیدی، افعال انسانی سرانجام دے سکے اور توحیدی کے اقوال میں شائستگی پیدا ہوسکے۔ یہی سبب ہے کہ حال حیات میں حق توحید جیسا کہ ادا کرنا چاہیے اس سے ادا نہیں ہوتا''۔(۱۷)

حواشی وحوالہ جات

(۱)روزنامہ جنگ، کراچی (جمعرات ۲۱/اکتوبر ۱۹۹۹ء)، ادارتی صفحہ۔ (۲) یمنی، نظام الدین، لطائف اشرفی، کراچی، سہیل پریس، ۱۹۹۹ء) جلد اول، ص ۳ تا ۵۔ (۳) روزنامہ جنگ، کراچی (پیر ۶/اگست ۲۰۰۱ء)۔ (۴) روزنامہ جنگ، کراچی (جمعرات ۲۱/اکتوبر ۱۹۹۹ء)۔ (۵) لطائف اشرفی، جلد اول، ص: ۲۵۔ (۶) ایضاً، ص: ۳۵۔ (۷) ایضاً، ص: ۳۵۔ (۸) ایضاً، ص: ۳۵۔۳۶۔ ۳۷۔ (۹) ایضاً، ص: ۳۷۔ (۱۰) ایضاً، ص: ۳۸۔ (۱۱) اقبال، ضرب کلیم، (لاہور، شیخ غلام اینڈ سنز، مارچ ۱۹۵۴ء) ص ۲۹۔ (۱۲) لطائف اشرفی، جلد اول، ص: ۳۸۔ (۱۳) ایضاً، ص: ۳۹۔ (۱۴) ایضاً، ص: ۴۱۔ ۴۲۔ (۱۵) ایضاً، ص: ۴۱۔ (۱۶) ایضاً، ص: ۴۴۔ (۱۷) ایضاً، ص: ۴۲۔

نزول عیسیٰ علیہ السلام کا وقت
ایک غلط فہمی کا ازالہ

مفتی محمد راشد ڈسکوی

ایک ساتھی کے سوال کے جواب میں بندہ نے بتایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول نمازِ فجر کے وقت ہوگا، اس سے اگلے دن اسی ساتھی کا فون آیا کہ بہشتی زیور میں تو لکھا ہوا ہے کہ نزولِ عیسیٰ عصر کے وقت ہوگا۔ اس پر میں کشمکش میں پڑ گیا کہ یہ کیا ہوگیا، تاہم دل نے یہی کہا کہ اگر ایسا ہی ہے تو پھر یہی ٹھیک ہوگا، غلطی مجھ سے ہوئی ہوگی۔ پھر جب بہشتی زیور اٹھا کر دیکھا تو وہاں واقعتاً یہی مذکور تھا، تشویش اس بات پر تھی کہ میرے ذہن میں نماز فجر کے وقت کی تعیین کس بناء پر بیٹھی ہوئی ہے؟ اسی جستجو میں مزید تلاش کی تو مفتی نظام الدین شامزئی صاحبؒ کی کتاب ''عقیدہ ظہورِ مہدی'' میں بھی یہی بات ملی، ان دونوں کتابوں میں حوالہ حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ کے ایک رسالہ ''قیامت نامہ'' کا دیا گیا تھا، حضرت شاہ صاحبؒ کا وہ رسالہ تلاش کر کے اس میں بھی دیکھا تو وہاں علامہ برزنجیؒ کی کتاب ''الاشاعۃ'' کا حوالہ موجود تھا۔

اس پر مزید تحقیق کی تو راجح اور اصح قول نماز فجر کے وقت ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہونا سامنے آیا، نہ کہ نماز عصر کے وقت۔ پوری تفصیل قارئین کے فائدے کی خاطر نذر قرطاس کی جاتی ہے۔ بہشتی زیور کی عبارت:

> ''دجال ملک شام پہنچے گا، جب دمشق کے قریب ہوگا، تو حضرت مہدی علیہ الرضوان وہاں پہلے سے پہنچ چکے ہوں گے اور لڑائی کی تیاری میں مشغول ہوں گے کہ عصر کا وقت آجائے گا، مؤذن اذان دے گا اور لوگ نماز کی تیاری میں ہوں

رفیق شعبہ تصنیف و تالیف واستاد جامعہ فاروقیہ، کراچی۔

گے کہ اچانک حضرت عیسیٰ علیہ السلام دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے آسمان سے اترتے نظر آئیں گے اور جامع مسجد کے مشرق کی طرف والے منارے پر آکر ٹھہریں گے، وہاں سے زینہ لگا کر نیچے تشریف لائیں گے............الخ"۔

مولانا اشرف تھانوی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ مضمون احادیث میں اس طرح مسلسل نہیں آیا، بلکہ حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے بہت سی متفرق احادیث کو جمع کر کے ترتیب دیا ہے۔ (بہشتی زیور، حصہ پنجم تھوڑا سا حال قیامت اور اس کی نشانیوں کا،ص:۵۰۱، ۵۰۲، دارالاشاعت)

"عقیدہ ظہور مہدی" اور "قیامت نامہ" کا حوالہ: حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئیؒ نے اپنی کتاب "عقیدہ ظہور مہدی" میں حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ کے رسالے "قیامت نامہ" [ص: ۱۴، مطبوعہ ہمدرد پریس دہلی] ہی سے یہ مضمون نقل کیا ہے۔

حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ کی ذکر کردہ تحریر کا ماخذ علامہ برزنجیؒ کی کتاب "الاشاعۃ" (ص:۱۶۹) ہے۔ اور آگے علامہ برزنجیؒ نے یہ مضمون ابن العربیؒ کی کتاب "الفتوحات المکیہ" سے نقل کیا ہے، جس میں نماز عصر کے وقت نزول کا ذکر ہے۔

ابن العربی رحمہ اللہ کا قول: ابن العربیؒ کی عبارت ملاحظہ ہو:

ينزل عليه عيسىٰ ابن مريم بالمنارة البيضاء بشرقي دمشق بين مهرودتين متكئا على ملكين: ملک عن يمينه و ملک عن يساره، يقطر رأسه ماء مثل الجمان يتحدر كأنما خرج من ديماس والناس في صلوٰة العصر، فيتنحى له الإمام من مقامه فيتقدم فيصلي بالناس، يؤم الناس بسنة محمد صلى الله عليه وسلم (الفتوحات المكية الباب السادس والستين والثلث مأة في معرفة وزراء	ایسے موقع پر (جس کا ذکر ماقبل میں گزرا) حضرت عیسیٰؑ دمشق کے مشرقی جانب، سفید مینارے پر دو زرد چادروں میں لپٹے ہوئے اتریں گے، اس حال میں کہ آپ دو فرشتوں پر ٹیک لگائیں ہوئے ہوں گے، ایک فرشتہ آپ کی دائیں جانب ہوگا اور دوسرا بائیں جانب۔ آپ کے سر مبارک سے موتیوں کی مانند پانی کے قطرے ٹپک رہے ہوں گے، جیسا کہ آپ ابھی غسل خانہ سے نکلے ہوں، اس وقت لوگ نمازِ عصر کے لیے تیار کھڑے ہوں گے۔ امام (آپ کو دیکھ کر) آپ کے لیے اپنے مصلی سے پیچھے ہٹ

المهدي: ۶/۵۱، دار الكتب العلمية)

جائے گا، (تاکہ آپ نماز پڑھائیں) تو آپ آگے بڑھ کر لوگوں کو نماز پڑھائیں گے، اور سنت محمدیؐ کے مطابق امامت کرائیں گے۔

قول محقق: تتبع کتب کے بعد اندازہ ہوا کہ یہ محض ابن العربیؒ کا اپنا قول ہے، انہوں نے اس قول کی دلیل میں کسی روایت کو پیش نہیں فرمایا، صرف اس مقام سے کچھ آگے سنن ترمذی کی ایک روایت نقل کی ہے، جو صحیح مسلم میں بھی موجود ہے، لیکن اس روایت میں کہیں بھی عصر کے وقت نزول کا ذکر نہیں ہے۔

اس موضوع پر مقدور بھر کوشش کرنے کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لفظ ''عصر'' کی ''فجر'' کے ساتھ لفظی مشابہت کی وجہ سے کتابت کی غلطی سے ایسا تغیر ہو گیا ہے، کیونکہ بہت ساری کتب تفاسیر، کتب احادیث، شروح احادیث، کتب علم الکلام اور عربی و اردو فتاویٰ جات میں نزولِ عیسیٰؑ کا وقت: ''صبح کا وقت/نماز فجر/ بوقت سحر'' مذکور ہے، نہ کہ نماز عصر کا وقت، مثلاً: تفسیر ابن کثیر، جامع البیان للطبری، الدر المنثور، سنن ابن ماجہ، مسند احمد بن حنبل، مستدرک علی الصحیحین، مجمع الزوائد، تکملہ فتح الملہم، الحاوی للفتاوی، الفتاویٰ الحدیثیہ، فتاوی عزیزیہ، جواہر الفقہ، معارف الحدیث، آپ کے مسائل اور ان کا حل وغیرہ۔

علامہ ابن کثیرؒ نے تو اپنی تفسیر اور تاریخ میں نزول عیسیٰؑ سے متعلق احادیث متواترہ ذکر کرنے کے بعد ان سے اخذ کردہ فوائد ذکر کرتے ہوئے صاف لکھا ہے کہ نزول نماز فجر کے وقت ہوگا۔ ملاحظہ ہو:

فهٰذه أحاديث متواترة عن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ... وفيها دلالة على صفة نزوله ومكانه من أنه بالشام بل بدمشق عند المنارة الشرقية وأن ذٰلک يكون عند إقامة صلاة الصبح... الخ (تفسير ابن كثير، سورة النساء، رقم الآية: ۱۵۵-۱۵۹،

پس یہ (تمام) احادیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ منقول ہیں...... اور ان احادیث میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی کیفیت، نازل ہونے کی جگہ پر راہنمائی ملتی ہے کہ آپ ملک شام، بلکہ (ملک شام کے شہر) دمشق کی مشرقی مینارے پر اتریں گے، اور یہ کہ یہ اترنا نماز صبح کی

۴/۳۶۳، مؤسسة قرطبة)

وأنه ينزل على المنارة البيضاء بدمشق وقد أُقيمت صلاة الصبح، فيقول له إمام المسلمين: تقدم يا روح الله! فصل فيقول: لا بعضكم على بعض أمراء تكرمة الله هٰذه الأمة (البداية والنهاية، قصة عيسى بن مريم صفة عيسىٰ عليه السلام وشمائله وفضائله: ۲/۵۲۶، دار هجر للطباعة والنشر)

جماعت کھڑی ہونے کے وقت ہوگا......الخ

اور یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دمشق کے سفید مینار پر اتریں گے، اس وقت نماز صبح کی اقامت کہی جاچکی ہوگی، تو آپ کو (دیکھ کر) مسلمانوں کا امام کہے گا، اے روح اللہ! آگے تشریف لائیے اور (ہمیں) نماز پڑھائیے، تو اس کے جواب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام ارشاد فرمائیں گے: نہیں، اللہ تعالیٰ کا اس امت پر یہ اعزاز ہے کہ تم میں سے بعض، دوسرے بعض پر امیر ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ عصر کے وقت میں نزول عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ماسوا مذکورہ بالا تین کتب کے کہیں کچھ نہیں ملا، ہر جگہ نماز فجر کے وقت کی تعیین ہی ملی، اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ہے کہ عصر کے وقت نزول کی تردید پر سوائے حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب نور اللہ مرقدہ کے، دیگر شارحین یا محدثین کرام وغیرہ کا کوئی کلام نہیں ملا، **واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب و علمہ اکمل و اتم۔**

امام اہل سنت، شیخ الحدیث والتفسیر مولانا سرفراز خان صفدر صاحب نور اللہ مرقدہ اپنی کتاب ''توضیح المرام فی نزول مسیح علیہ السلام'' میں ایک مقام پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول پر قادیانیوں کی کتب ہی سے دلائل دیتے ہوئے، تیسرے حوالے (مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ: حج الکرامتہ، ص: ۴۱۸ میں ابن واطیل وغیرہ سے روایت لکھی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام عصر کے وقت آسمان پر سے نازل ہوں گے۔ تحفہ گولڑویہ، ص: ۱۸۴) کے بعد لکھتے ہیں کہ:

یہ تین حوالے ہم نے مرزا غلام احمد قادیانی کے نقل کیے ہیں، جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے نازل ہونے کی تصریح ہے اور اپنے اقرار اور بیان سے بڑھ کر آدمی کے لیے اور کیا حجت ملزمہ ہوسکتی ہے؟ صحیح احادیث کے پیش نظر جن کا ذکر اسی پیش نظر کتاب میں باحوالہ ہو چکا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا نزول عصر نہیں بلکہ بوقت صبح، صلاۃ صبح ہوگا، کما مرّ ہ۔ (توضیح المرام

فی نزول مسیح علیہ السلام، عیسائی بھی مسیح علیہ السلام کے رفع اور نزول کے قائل اور ان کی آمد کے منتظر ہیں، ص: ۲۰۷، طبع پنجم، اگست ۲۰۱۰ء، مکتبہ صفدریہ)

رہ گئی یہ بات کہ پھر اتنے بڑے حضرات اکابر نے وقت عصر کیسے ذکر کردیا؟ تو جاننا چاہیے کہ ان اکابر سے اس مسئلے میں سہو ہوجانے سے ان کی شان میں فرق نہیں پڑتا، بلکہ یہ تو دلیل ہے کہ معصوم عن الخطا صرف حضرات انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات ہیں اور کوئی نہیں۔ نیز یہ سہو اپنے سے متقدم کے اوپر اعتماد کرتے ہوئے نقل در نقل میں خطا کی قبیل سے ہے اور ایسا صرف ان ہی سے نہیں بلکہ بہت سے حضرات اکابر سے صادر ہونا مشاہد ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل کے بعد مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے نزول کا وقت ''نماز فجر'' ہی بیان کیا جائے اور لکھا جائے، تاوقتیکہ نماز عصر کے وقت کی تصریح صحیح روایات سے سامنے آجائے۔

اخبار علمیہ

''ترکی میں نابینا افراد کے لیے تعلیم قرآن کا نظم''

ترکی میں بصارت سے محروم افراد کے لیے بریل زبان میں قرآن کی تعلیم کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے جس میں بڑی تعداد میں نابینا افراد شرکت کررہے ہیں۔ دیانت پارٹی کے شعبۂ اسلامیات کے سربراہ بنیامین الباایراک نے کہا کہ ان تعلیمی مجلسوں میں عوام بالخصوص نابیناؤں کی دلچسپی دیدنی ہے۔ دوسرے طویل العمر افراد کے مقابلہ میں نوجوان طلبہ بریل زبان میں قرآن مجید زیادہ شوق سے سیکھ رہے ہیں۔ گذشتہ سال اس مرکز سے دو ہزار تین سو افراد نے قرآن سیکھا جس میں نوجوانوں کی تعداد زیادہ تھی۔ بینائی سے محروم اشخاص کے علاوہ دیگر معذور افراد کو بھی قرآن سکھانے کا نظم کیا گیا ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ عام افراد سے زیادہ نابینا افراد قرآن سیکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ (بین الاقوامی قرآن نیوز ایجنسی، ۲۳؍ جولائی ۲۰۱۶ء)

''مذہب اسلام کی مقبولیت''

میکسیکو کے سرکاری ادارہ برائے مردم شماری کے مطابق وہاں گذشتہ ۱۵ سال میں اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد میں ۲۵ فیصد اضافہ ہوا ہے۔ ۲۰۰۰ء میں یہ تعداد ۱۵۰۰ سو تھی جو بڑھ کر ۲۰۱۵ء میں ۵۲۶۰ تک پہنچ گئی۔ جن میں خواتین ۲۹۲ ۱۳ اور مرد ۲۳۶۸ ہیں۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مساجد کی تعمیر میں جہاں مہاجر مسلمان آگئے ہیں وہیں ان کو آباد کرنے اور دوسری اسلامی سرگرمیوں میں حصہ لینے والوں کی اکثریت نومسلموں کی ہے۔ اسلام کی جانب میلان کے سلسلہ میں جب ان نومسلموں سے پوچھا گیا تو اکثر نے اس کا سبب یورپ میں اسلام کے خلاف کیے جانے والے پروپیگنڈہ کو قرار دیا۔ ان نومسلموں میں زیادہ تر اعلیٰ تعلیم یافتہ اور اہم مناصب پر فائز ہیں۔ اس خبر کے ساتھ سعودی عرب میں قائم ''مرکز برائے تعارف اسلام بذریعہ انٹرنٹ'' کی کوششوں پر مشتمل یہ خبر بھی دلچسپ ہے کہ اس ادارہ کی تاسیس سے اب تک اس کی کوششوں کے نتیجہ میں ۱۵ ہزار افراد نے اسلام قبول کرلیا ہے۔ ان کی اکثریت برطانیہ، آسٹریلیا، پیرو، برازیل، چین، ہالینڈ، کینڈا اور امریکہ وغیرہ سے تعلق رکھتی ہے۔ اس مرکز کے تحت نومسلموں کو دینی تعلیم سے آراستہ اور صحیح طریقہ عبادت سے آشنا کرنے کے لیے ایک اکیڈمی کا قیام عمل میں لایا گیا ہے جس میں مختلف کورسز رکھے گئے ہیں، جس سے اب تک پانچ ہزار طلبہ فارغ ہوچکے ہیں اور دعوت

وتبلیغ کے فرائض بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں۔ چونکہ مرکز سے رابطہ کرنے والوں کی اکثریت مغربی ممالک سے تعلق رکھنے والوں کی ہے اس لیے جب اسلام کے متعلق وہاں سے کوئی معلومات حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کی کال اس زبان پر دسترس رکھنے والے خصوصی تربیت یافتہ داعی کی جانب منتقل کر دی جاتی ہے جو ان کے تسلی بخش جوابات دیتا ہے۔ (صراط مستقیم، برمنگھم، ستمبر ۲۰۱۶ء)

''ویب میڈیا کی اسلام دشمنی''

اس خوش کن خبر کے ساتھ یہ افسوس ناک اور تکلیف خبر بھی ہے کہ اس وقت دنیا بھر میں سوشل میڈیا کا استعمال سب سے زیادہ اسلام دشمنی کے لیے کیا جا رہا ہے۔ تازہ رپورٹ کے مطابق گذشتہ ماہ جولائی میں دنیا بھر میں ہر روز انگریزی زبان میں تقریباً سات ہزار اسلام دشمن ٹوئٹس ارسال کی گئیں جبکہ اپریل میں ایسی ٹوئٹس ڈھائی ہزار ریکارڈ کی گئی تھیں۔ بائیں بازوں سے تعلق رکھنے والے تھنک ٹینک ڈیموس کو ایسے ۴۹ الفاظ اور ہیش ٹیگ ملے جن سے اسلام دشمنی ظاہر ہوتی ہے۔ ڈیموس نے مارچ اور جولائی میں کی جانے والی ٹوئٹس کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ ایسی ۲۱۵۲۴۷ انگریزی ٹوئٹس ہیں جو حقارت آمیز، نفرت انگیز اور اسلام دشمنی پر مشتمل ہیں۔ سب سے زیادہ ٹوئٹس برطانیہ، اس کے بعد نیدرلینڈ، فرانس اور جرمنی کی جانب سے کی گئی تھیں۔ ۱۵/ جولائی ایسا دن تھا جب سب سے زیادہ ۲۱۱۹۰ ٹوئٹس بھیجی گئیں۔ اس سے ایک روز قبل ایک شخص نے نیس کے ساحل پر موجود لوگوں پر ٹرک چڑھا کر ۸۵ افراد کو ہلاک کر دیا تھا۔ اس کے بعد ۱۷/ جولائی کو ترکی میں ناکام فوجی بغاوت کے ایک روز بعد اس قسم کی ۱۰۶۱۰ ٹوئٹس دیکھی گئیں۔ ۲۶/ جولائی بھی اس حوالہ سے سرگرم دن تھا۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ فرانسیسی شہر میں حملہ اور ترکی میں فوجی بغاوت کی ناکامی کے بعد اس میں تیزی آئی ہے۔ دراصل اس کے پس پردہ یہودیوں کا وہ پروٹوکولز ہیں جن میں ذرائع ابلاغ اور میڈیا کو غیر معمولی اہمیت دی گئی ہے۔ رپورٹ کے مطابق اس وقت عالمی میڈیا کے ۹۰ فیصد حصہ پر یہودیوں کا قبضہ ہے۔ دنیا بھر کے الیکٹرانک میڈیا بالخصوص ٹی وی اور ریڈیو کی ۹۹ فیصد اور فلمی دنیا کی ۸۰ فیصد پر یہودی قابض ہیں۔ پرنٹ میڈیا کے سلسلہ میں رپورٹ میں یہ بات درج ہے کہ امریکہ سے شائع ہونے والے ۷۵ فیصد اخبارات ان ہی کے قبضہ میں ہیں۔ ایک ایک یہودی فرم ۵۰-۱۵۰ اخبارات و میگزین شائع کرتی ہے۔ یہودیوں کا اشاعتی ادارہ ''نیو ہاؤس'' ۲۶ روزنامے

اور ۲۴ میگزین شائع کرتا ہے۔ امریکہ کے تین مشہور اخبارات جن میں ہر ایک کی اشاعت ۹۰ لاکھ سے متجاوز ہے، یہودیوں کی ملکیت ہے۔ اہم نیوز ایجنسیاں اے، ایف، پی، رائٹر، اے پی اور انٹرنیٹ کے تمام سرچ انجن یہودیوں کے ہاتھ میں ہیں۔ اس لیے وہ میڈیا کے سرکش گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے عزائم کی تکمیل میں مصروف ہیں۔ اپنی مرضی کے مطابق وہ خبریں شائع کرتے ہیں۔ انٹرنٹ پر جعلی اسلام کی ۱۰۳ سائٹس بنا رکھی ہے جس کے ذریعہ عام غیر مسلموں اور سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اسلام دشمن گروپوں کی جانب سے پائی جانے والی سائٹس کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ نٹ پر جب ''اسلام'' کے نام سے تحقیق کی جاتی ہے تو پہلے پہل یہود و نصاری اور قادیانیوں کی تیار کردہ سائٹس کھلتی ہیں۔ پوری دنیا بالخصوص امریکہ میں اسلام کے خلاف نفرت انگیز مہم کا اندازہ امریکی مسلمانوں کی ایک معروف تنظیم کی رپورٹ سے کیا جاسکتا ہے کہ اس کے لیے یومیہ ۸۱ ہزار ۶۶۰ ڈالر صرف کیے جاتے ہیں۔ ایسے حالات میں مسلمانوں پر یہ ذمہ داری عاید ہوتی ہے کہ اسلام کے دفاع کے لیے سوشل میڈیا کے موثر استعمال کا منصوبہ بنائیں۔ (یہ تفصیلات منصف، حیدرآباد، ۲ر ستمبر ۲۰۱۶ء سے ماخوذ ہیں)

''میموریل نیکروپول ایکومینیکا''

برازیل کے شہر سانتوس میں اس نام سے ایک ۳۲ منزلہ عمارت قائم ہے جس کو دنیا کا سب سے اونچا قبرستان قرار دے کر گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈ کا حصہ بنایا گیا ہے۔ یہ عمارت ۱۹۸۳ء میں تعمیر کی گئی تھی۔ اس وقت یہ بہت چھوٹی تھی لیکن اب یہ ۱۰۸ میٹر لمبی عمارت میں تبدیل ہو چکی ہے۔ جس میں ۶۵ ہزار مردوں کے تابوت رکھنے اور تدفین کی گنجائش ہے۔ اس عمارت کی ہر منزل پر کئی بلاکس ہیں۔ ہر بلاک میں ۱۵۰ قبروں کی جگہ ہے اور ہر مقبرہ میں ۶ قبریں بنائی جاسکتی ہیں۔ ان قبروں کو ٹھنڈا کرنے کے لیے ہوا کے گذرنے کے لیے ایک راستہ بنایا گیا ہے۔ منتظمین کے بیان کے مطابق ایک نعش کو ختم ہونے میں ۳ سال لگتے ہیں۔ اس کے بعد عزیزوں کو باقیات لے جانے یا دوسری جگہ منتقل کرنے کا حق حاصل ہے۔ ۳ سال کا کرایہ ۶ سے ۲۱ لاکھ روپے ہے۔ یہ قبرستان دنیا کی جدید ترین سہولیات سے آراستہ ہے۔ تدفین کے لیے کسی خاص مذہب کی شرط نہیں تاہم قبرستان کو ۱۴ اہم مذاہب کی بنیاد پر تقسیم کیا گیا ہے۔ مسلمانوں اور عیسائیوں کی تدفین کا خصوصی اہتمام ہے۔ (مزید تفصیل مصری خبر رساں ادارہ ''المحیط'' کی رپورٹ میں دیکھی جاسکتی ہے)

ک۔ ص اصلاحی

معارف کی ڈاک

موضع سیوری، پوسٹ منجھول
بیگوسرائے (بہار) ۸۵۱۱۲۷
۲۰۱۶/۸/۲۱ء

مکرمی! سلام مسنون امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

مختصر انتظار کے بعد معارف کے خصوصی شمارے کا حصہ دوم بھی ہم دست ہوا جو ۴۰۷ صفحات پر مشتمل ہے۔اس کی یہ ضخامت، جسامت اور تمکنت لائق التفات بھی ہے اور قابل قرأت بھی۔ کیونکہ اس میں شب وروز کی گردشوں اور لیل ونہار کی کروٹوں نے جن مسائل کو ہمارا مقدر بنادیا ہے نہ صرف ان کا احاطہ کیا گیا ہے بلکہ ان کا موثر حل بھی پیش کیا گیا ہے۔

غالب ہندو آبادی والے علاقے سے متعلق ہونے کے سبب جب کبھی اپنے غیر مسلم اساتذہ، احباب و متعلقین سے اسباب وعلل اور عوامل ومحرکات کا تجزیہ کیے بغیر اور مسخ شدہ تاریخی حقائق کے سبب اورنگ زیب کے ظالم، ستم گر، ہندو کش، بت شکن اور مندر توڑ کر مسجد بنانے والے بادشاہ اور حکمراں ہونے کی گفتگو سنتا تو ایک عجیب طرح کے نفسیاتی کرب سے دوچار ہوتا اور یہی حال بابری مسجد کے تعلق سے ہوتا، لیکن جیسے جیسے شعور بڑھا، پڑھنے کی عادت بنی اور مطالعے کی چاٹ لگی تو ویسے ویسے اس کیفیت میں کمی ہوتی چلی گئی۔ جب ڈاکٹر اوم پرکاش، صدر شعبہ تاریخ، پٹنہ یونیورسٹی، پٹنہ کی ہندی میں لکھی کتاب ''اورنگ زیب! ایک نئی درشٹی سے'' پڑھی تو فکر ونظر کے دریچے اور وا ہوئے اور یہی حال آپ کے یہاں سے ''بابری مسجد'' نامی کتاب منگانے کے مطالعے کے بعد ہوا۔اس لیے میرے لیے اس خصوصی اشاعت میں اورنگ زیب اور بابری مسجد کے تعلق سے پیش کردہ شذرات بہت مفید ہیں نیز رہنما خطوط بھی فراہم کرتے ہیں۔علاوہ ازیں ان سے اب اپنے علاقے کے غیر مسلم تعلیم یافتہ طبقے کو تاریخی حقائق سے واقف کرانے کے لیے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باتیں کرنے، صحیح مباحثے اور احسن مجادلے کی راہیں بھی ہموار ہوتی ہیں ؎

با وقار رہنے کو برقرار رہنے کو جنگ بھی ضروری ہے، صلح بھی مناسب ہے

خدا جانے کب تک متعصب مورخین کے من گھڑت واقعات پر دلی کیفیات اور قلبی واردات دوچند ہوتی ہیں گی، نیز ان کی الزام تراشی، بہتان طرازی اور افتراء پردازی سے کب تک اس شعر کی صدائے بازگشت سنائی دیتی رہے گی ؎

تمھیں لے دے کے ساری داستاں میں بس یاد ہے اتنا　　کہ اورنگ زیب ہندو کش تھا، ظالم تھا، ستم گر تھا

اے۔ایم۔ یو کا اقلیتی کردار ایک سلگتا موضوع ہے جس کے حقائق کے افہام و تفہیم میں متعلقہ شذرات اہم رول ادا کرتے ہیں۔ اگر گنجائش ہو تو اس سلسلے میں تمام متفرق نگارشات کو یکجا کر کے کتابی شکل میں شائع کرا کر اس کی اہمیت و افادیت کو دو چند کر دیا جائے۔

دارالمصنّفین کی مطبوعات کے سلسلے میں ہند و پاک کے ناشرین کی ناشائستہ حرکات نے خون کے آنسو رلائے۔ یہ وابستگان دارالمصنّفین کی عالی حوصلگی، علوئے ہمتی، اولوالعزمی، نیک نیتی، دور اندیشی تھی کہ مادی منفعت کو خیر باد کہتے ہوئے دنیاوی آسائش سے منہ موڑ کر مشکل حالات کا سامنا کرتے ہوئے حوصلہ شکن اور شکیب آزما مدارج کو طے کرتے ہوئے اہل ہند و اہل اسلام کے غم کا مسیحا اور درد کا درماں بن کر یہ گنگناتے رہے۔

مری زندگی پہ نہ مسکرا مجھے زندگی کا الم نہیں　　جسے تیرے غم سے ہو واسطہ وہ خزاں بہار سے کم نہیں

بہر کیف آپ شکریے کے مستحق ہیں کہ آپ نے اس شمارے (جس میں بعض فاش کتابتی غلطیوں کے در آنے کے سبب بدحظ بھی ہوا) کی وساطت سے مسلمانوں سے حدیث سوز و ساز زندگی کہہ دی و ران کے لیے زندگی کے راز ہائے سربستہ کو منکشف کر دیا۔ خدا کرے کہ آپ کی یہ نوا سنجی ہم باشندگان ملک کو راس آجائے۔ آمین۔

فقط، خلوص آگیں

(جناب) راجو خان

گوشہ مطالعات فارسی
پوسٹ بکس نمبر ۱۱۴، علی گڑھ
۲۰/۸/۲۰۱۶ء

مکرمی! مدیر معارف　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج دوپہر کے دو بجے، بالآخر "معارف" کے دونوں خصوصی شمارے مل ہی گئے۔ سرسری طور پر ورق گردانی کی۔ جی خوش ہوا، واقعی یہ ایک علمی و تاریخی دستاویز ہے جس سے مدتوں استفادہ کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ مرتبین کو ان کی محنتوں کا اجر عطا فرمائے (آمین)۔

"حدائق الریحان منظوم اردو ترجمانی منتخب قصائد حضرت حسانؓ" کا ایک نسخہ آپ کی نذر ہے اور دو نسخے برائے تبصرہ ارسال خدمت ہے۔

جویائے خیر

ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

وفیات

جناب توفیق احمد قادری چشتی مرحوم (۱۹۴۰ء-۲۰۱۶ء)

معارف کے گذشتہ شمارہ میں جناب توفیق احمد قادری چشتی کا ذکر آیا تھا جن کا انتقال ۹/اگست کو ہوا تھا۔ان کے صاحبزادے جناب انوار صمدانی نے بتایا کہ ان کو مخطوطات و نوادر شناسی میں غیر معمولی مہارت حاصل تھی اور یہی ان کی خاص شہرت کا سبب بھی بنی۔وہ ۱۹۴۰ء میں امروہہ میں پیدا ہوئے، ۵۹ء میں کتابوں کی ایک دوکان کھولی اور یہی کاروبار ان کی زندگی کا اس وقت سب سے بڑا سرمایہ بن گیا جب انہوں نے ۶۹ء میں بھوپال سے دیوان غالب بخط غالب حاصل کیا، انوار صاحب نے ''دریافت کیا'' لکھا ہے لیکن یہ انصاف نہیں کہ اس دیوان کے وجود کا علم اوروں کو بھی تھا، مولانا عبدالسلام ندویؒ ہی نے اس کو بہت پہلے یعنی ۱۹۱۸ء کے قریب ملاحظہ کیا تھا، جن مولوی شفیق مرحوم سے توفیق صاحب نے یہ دیوان حاصل کیا تھا، وہ خود نادر کتابوں کی یافت میں مشہور تھے مگر بڑے لاابالی بلکہ مجذوب صفت تھے۔ بہرحال دیوان غالب بخط غالب نے توفیق صاحب کو جو شہرت دی اس کا اندازہ پروفیسر غلام رسول مہر کے اس جملہ سے ہوتا ہے کہ ''جو نسخہ پہلے مالک کے نزدیک محض پتھر کا ایک ٹکڑا تھا وہ دوسرے مالک کے ہاتھوں میں پہنچتے ہی کوہِ نور بن گیا۔کیونکہ وہ جوہری تھا یا جوہری ثابت ہوا'' بات یہی ہے کہ برصغیر میں اسلامی ثقافت کی برکت تھی کہ کتابوں کے تاجر بھی کسی محقق سے کم نہیں تھے۔یہ تاثر پروفیسر نثار احمد فاروقی کا تھا جس میں کوئی مبالغہ نہیں، توفیق صاحب نے عمدۂ منتخبہ معروف بہ تذکرہ سرور کا ایک مخطوطہ بھی دریافت کیا جو قریب دوسو سال پرانا ہے۔انوار صمدانی صاحب کے مطابق یہ تین نسخوں کے بعد چوتھا اصل نسخہ ہے، اردو شعراء کے فارسی زبان میں اس تذکرہ کی کتابت مولف نواب میر محمد خاں بہادر سرور اعظم الدولہ کے حکم سے بھولا ناتھ عاشق نے کی تھی۔توفیق صاحب نے اس نادر نسخہ کو کانپور کے ایک غیر مسلم سے خطیر رقم کے عوض حاصل کیا۔مخطوطات کے علاوہ بعض نہایت قدیم دستاویزیں بھی انہوں نے حاصل کیں۔نیشنل آرکائیوز میں اسی لیے ان کے نام سے چشتی کلکشن قائم ہوا۔ملک کے مشہور میوزموں میں ان کے نوادر موجود و محفوظ ہیں۔خود ان کا گھر ایک عمدہ کتب خانہ بن گیا، جہاں ہزاروں کتابیں ہیں۔بقول ڈاکٹر شعائر اللہ خاں یہ روہیل کھنڈ میں مراجع کا سب سے عمدہ ذخیرہ ہے۔مخطوطات و نوادر شناسی کا یہ ملکہ دراصل توفیق الٰہی کے طفیل ان کو حاصل ہوا۔امروہہ کے ایک بزرگ مولانا محمد خلیل کاظمی سے محبت و ارادت کا سلسلہ بھی تھا۔معارف میں ان کی کئی تحریریں شائع ہوئیں، کئی کتابوں کے مولف بھی تھے، جیسے قاضی نور اللہ شوستری کا تجاہل عارفانہ، حضرت سید شاہ شرف الدین حسین سہروردی واسطی کا مذہب سنی حنفی۔معلوم ہوا کہ دو کتابیں زیر ترتیب تھیں، ایک صوفیہ کا دشمن کون اور دوسری اقوام ہندوستان کا ایک غائر مطالعہ۔ان کے لائق صاحبزادے جناب انوار صمدانی کو اللہ تعالیٰ ان کتابوں کی اشاعت کی توفیق دے اور خود جناب توفیق کو اپنی رحمت و مغفرت سے نوازے۔ ع۔ص

ادبیات

حمد باری تعالیٰ

ڈاکٹر علیمؔ عثمانی

خالق کل ہے تو سب ہیں منظر ترے
دشت و کہسار تیرے سمندر ترے
چاند سورج ترے نجم و اختر ترے
کتنے جلوے برستے ہیں ہم پر ترے
رند کی تشنہ کامی بھی بخشش تری
حکم توبہ ترا جام و ساغر ترے
ان کے صدقے میں یا رب مجھے بخش دے
جو ہیں سب سے چہیتے پیمبرؐ ترے
حمد لکھے کہاں تک علیمؔ حزیں
کتنے احساں ہیں اس کے قلم پر ترے

غزل

جناب شوقؔ مانوی مرحوم*

خوش گماں ہوں وقت خوش رفتار کے ہاتھوں میں ہوں
یہ سکوں کیا کم ہے ایک غم خوار کے ہاتھوں میں ہوں
تو بھی اک ایسا سفینہ ، نا خدا جس میں نہیں
میں بھی ٹوٹی ناؤ اور منجدھار کے ہاتھوں میں ہوں

---

*سہارن پور۔

بے دلی نے چھین لیں سب زندگی کی مستیاں
خالی شیشے کی طرح میخوار کے ہاتھوں میں ہوں

تجھ کو بھی جھکنے نہیں دیتی ہے تیری تمکنت
اور اب میں بھی دل خوددار کے ہاتھوں میں ہوں

کچھ نہیں معلوم کس قالب میں ڈھالا جاؤں گا
خاک نم آلود ہوں فنکار کے ہاتھوں میں ہوں

شہر نا قدراں میں پرکھے کون اب میرا ہنر
ایک جنس بے طلب بازار کے ہاتھوں میں ہوں

میری محنت بے ثمر ہو ، شوقؔ ایسا بھی نہیں
کیمیا گر ہوں مگر زردار کے ہاتھوں میں ہوں

غزل

جناب جمیلؔ مانوی

دیئے بھی جلتے ہیں، روشن بھی ہے حیات مری
پسِ غبارِ نظر، گم ہے کائنات مری

نہ وقت ہے ، نہ زمانہ ، نہ کائنات مری
تجھے ثبات ہے، ہستی ہے بے ثبات مری

تھا وہ بھی اصل میں تیری صفات کا پرتو
سمجھ رہا تھا زمانہ جسے صفات مری

ہر ایک اپنے پرائے کا دکھ مرا دکھ ہے
یہ وارداتِ زمانہ مرے ، جہات مری

ابھی تلک تو نشانے پہ تھی مری تہذیب
سنا ہے اب کے نشانہ بنے گی ذات مری

ترے سلیقہ سے پہچانتی تجھے دنیا
مگر سنی نہ توجہ سے تونے بات مری

سلیقہ جینے کا آیا تو یہ ہوا معلوم
نہ زندگی ہے نہ دنیائے بے ثبات مری

ہیں جس چراغ سے روشن سیاہ رات کے داغ
اسی چراغ سے روشن ہے کائنات مری

کسی کے حسنِ تکلم کا فیض ہے یہ جمیلؔ
کہ ہے زمانے کے ہونٹوں پہ آج بات مری

سہارن پور۔

مطبوعات جدیدہ

محمد علی جناح، شخصیت وسیاست: از ڈاکٹر ابو سلمان شاہ جہاں پوری، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ وطباعت، مجلد، صفحات ۶۳۲، قیمت درج نہیں، پتہ: دارالکتاب، کتاب مارکیٹ، غزنی اسٹریٹ، اردو بازار، لاہور، پاکستان۔

برصغیر کی تقسیم، پاکستان کے قیام اور گذشتہ صدی کے نصف اول میں محمد علی جناح کے فلسفہ و عمل پر خدا جانے کتنی کتابیں لکھی جا چکی ہیں، بالکل اسی طرح جیسے گاندھی و نہرو کے متعلق تحریروں کا ایک سلسلہ لامتناہی ہے۔ ان تحریروں میں شخصیت، فکر و فلسفہ اور پھر عملی جدوجہد اور اس کے نتائج کا مطالعہ و تجزیہ گرچہ مصنف کے اپنے ذوق و فکر کے سایہ میں نظر آتا ہے، لیکن مشرقی پیمانوں کے اس چلن سے کم ہی بچا گیا جہاں شخصیت کی تمام جلوہ سامانیوں کو تقدس کے رنگ میں پیش کیا جاتا ہے۔ لیکن جو اس چلن سے بچ گئے ان کے متعلق یہ یکسر اور مطلق نہیں کہا جا سکتا کہ افراد و تفریط کے اس عمل میں ان کا توازن برقرار رہا۔ زیر نظر کتاب کے مولف کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ایسے محقق ہیں جن کی ایک شناخت، جرأت اظہار کی ہے، حق کو حق کی شکل میں دیکھنے کی نعمت ان کو ملی ہے۔ اس کتاب سے اندازہ ہوتا ہے کہ اپنی بات کہنے کا جذبہ بھی ہے اور حوصلہ بھی، یہ بات اور ہے کہ دوسروں کے لیے اس حق وصداقت کے ردوقبول میں کتنی کشش اور قوت ہے۔ فاضل مولف تسلیم کرتے ہیں کہ تحریک آزادی کے آغاز سے اب تک برصغیر کا شاید ہی کوئی سیاسی رہنما ہو جو تنقید اور تنقیص سے بچ سکا ہو، لیکن محمد علی جناح کو وہ مظلوم ترین شخصیت اس لیے سمجھتے ہیں کہ ان کے لیے گفتنی ناگفتنی جیسی روا رکھی گئی اس کی اور کوئی مثال نہیں، لیکن اس تشبیب کے معاً بعد جو گریز ہے، اس کی لے ہر صفحہ کے ساتھ بلند ہی ہوتی گئی ہے۔ انھوں نے اس ضخیم کتاب کو سات حصوں میں تقسیم کیا، پہلے حصہ کو جناح صاحب کی شخصیت کو افکار و حقائق کی روشنی میں دیکھنے کے لیے خاص کیا گیا، اس محفل میں روشنی جن چراغوں سے حاصل کی گئی وہ ڈاکٹر سچدانند سنہا، سری پرکاش، اجیت جاوید، ایس کے مجمدار، سریا مین خاں، پروفیسر محمد سرور، ڈاکٹر فرخ اور جناح صاحب کے پرائیویٹ سکریٹری مرزا راشد علی بیگ کے

ہیں۔دوسرے حصہ میں مطالعہ کے دیگر کچھ اور پہلو ہیں جیسے لیاقت علی خاں بہ مقابلہ جناح، ماؤنٹ بیٹن پلان کی منظوری اور چودھری رحمت علی اور تقسیم ملک میں عجلت چہ معنی دارد وغیرہ تیسرے حصہ میں تاریخ پاکستان کے کچھ حوالے ہیں جیسے سکندر حیات اور قرارداد پاکستان، تقسیم پنجاب کی تاریخی لیگی تجویز وغیرہ، چوتھے حصہ میں پاکستان کے بارے میں انگریز قادیانی اور لیگی تصورات اور پاکستان، ہندوستان اور کشمیر پر تحریریں ہیں جن کو فکر انگیز اور قابل غور مسائل سے تعبیر کیا گیا ہے۔ باقی کے ابواب میں بنگال اور برطانوی حکمرانوں کا ذکر ہے اور آخری باب میں دو ضمیمے ہیں ایک مولانا آزاد کا وہ اہم مضمون ہے جو ۴۲ء میں ہندوستان کی صورت حال اور مسئلہ انقلاب و تعمیر کے عنوان سے لکھا گیا تھا۔ دوسرا ضمیمہ پاکستان کی ایک مشہور بلکہ متنازعہ کتاب تو صاحب منزل ہے کہ بھٹکا ہوا راہی کا جائزہ بصورت مکتوب ہے۔ دیکھا جائے تو فاضل مولف نے جن کتابوں کی تلخیص کی ہے وہ سب ان کے عمل جائزہ ہی سے ہو کر گزری ہیں، مثلاً اجیت جاوید کی کتاب جناح سیکولر اینڈ نیشنلسٹ کی تلخیص سے پہلے انہوں نے لکھا کہ اس کتاب نے میرے خیالات کی کایا پلٹ دی۔ نور محمد قریشی کی کتاب .... بھٹکا ہوا راہی کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے شاہ جہاں پوری صاحب نے لکھا کہ یقیناً انسان، خطا و نسیان کا پتلا ہے لیکن جناح صاحب نے جیسی غلطیاں کیں اس کی مثال شاید کہیں اور نہ مل سکے .... مسلمانوں کے دین، عقائد، رسوم، تہذیب اور تاریخ ان سب سے جناح صاحب کا کوئی تعلق نہیں تھا، اس میں فاضل مولف کو کوئی شبہہ نہیں۔ مولانا محمود حسن، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا ابوالکلام آزاد سے جذباتی و فکری عقیدت و ہم آہنگی نے فاضل مصنف کو گذشتہ صدی کے صف اول کی تاریخ کے مطالعہ و تجزیہ کی فرصت خوب دی، یہ کتاب بھی گویا اسی تجزیہ کا جزو ہے، یہ تجزیہ گو بالکل معروضی نہیں تاہم یہ بدلے موسم کی علامت ضرور ہے، سکہ کے دوسرے رخ پر نظر ڈالنا یقیناً منفی عمل نہیں، یہ کہنا کہ جناح کی سیرت، سیاست، تدبر، بصیرت کوئی چیز بھی لائق توجہ نہیں، منفی طرز ہے تو اس میں اثبات کا یہ پہلو بہر حال ہے کہ ان سے عبرت تو حاصل کی ہی جاسکتی ہے۔ یہی بات کتاب کے آغاز میں امجد علی شاکر کے قلم کی زبان سے نکلی ہے کہ اصل شخصیت کی تلاش میں اس کتاب کے بیان کردہ حقائق کا کھلے دل سے سامنا کرنا چاہیے۔ رد و قبول تو ذوقی اور توفیقی چیز ہے۔

جوہر اقبال : از جناب محمد حسنین سید مرحوم، قدرے بڑی تقطیع ، بہترین کاغذ و طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۳۰۰، قیمت ۲۵۰/روپے، پتہ: ملی پبلی کیشنز، ملی ٹائمز بلڈنگ، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵ ۔

جوہر اقبال کے خوبصورت سرورق پر یہ جملہ بھی ہے کہ ''علامہ اقبال پر شائع ہونے والا دنیا کا سب سے پہلا وثیقہ''۔ اقبالیات کے خزانہ کی وسعت وثروت اب عالم ہی اور ہے لیکن قیمت اور قدر میں متاع اولیں کی اہمیت بہرحال اپنی جگہ ہے، ۳۸ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کے ایک نوجوان طالب علم نے جب یہ نذرانہ پیش کیا تو اسی وقت اس کو یہ امتیاز حاصل ہوگیا کہ اقبال پر یہ سب سے پہلا خصوصی شمارہ تھا۔ جوہر، جامعہ اور اقبال، اہل نظر کی نظر میں یہ مثلث عظمت میں کسی اہرام سے کم نہ تھا، مولانا دریابادی نے اپنے پیام میں لکھا کہ ''اقبال باوجود اتنا بڑا اور مشہور شاعر ہونے کے شاعر نہیں ہے بلکہ اپنے پیام سے مقام نبوت کی جانشینی کا حق ادا کررہا ہے، مبارک ہیں وہ ہستیاں جو اقبال شناس ہوجائیں''۔ واقعی اقبال شناسی کی اس پہلی کوشش کے لیے یہ دعا جس طرح مقبول ہوئی اس کا اظہار اب تحصیل حاصل ہے، وقت کے ساتھ جوہر کے اقبال نمبر کی یادیں دھندلی ہوگئیں۔ ۳۸ء کے نوجوان مدیر نے ۲۰۰۵ء نے اس حیات مستعار کی مدت پوری کی، ان کی تمنا تھی کہ یہ خصوصی شمارہ ایک بار پھر عہد کہن کی یاد تازہ کردے۔ مولانا سید سلیمان ندوی، سید عابد حسین، رشید احمد صدیقی، پروفیسر مجیب، مولانا مودودی، پروفیسر محمد سرور، پروفیسر سید نواب علی، خواجہ غلام السیدین، مولانا اسلم جیراج پوری، ڈاکٹر عبدالحمید زبیری، شاید ہی کسی اور رسالہ میں ایسے آفتاب و ماہتاب ایک ساتھ جگمگائے ہوں۔ ستاروں کی یہ بارات تو بار بار آنکھوں میں بسا لینے والی تھی۔ خوشی ہے کہ اس کتاب کی شکل میں نہایت اہتمام وسلیقہ سے یہ کہکشاں سجائی گئی، بالکل صحیح کہ جوہر اقبال کی یہ اشاعت پرانے دریچوں سے آنے والی ہوائے تازہ کا ایک جھونکا ہے۔ اس کے لیے محترمہ کوثر فاطمہ کی کوشش قابل تحسین ہے۔ پیش لفظ جناب راشد شاز کے قلم سے ہے اور اس میں حسنین سید مرحوم کا تعارف بہت خوبصورت اور دلکش ہے۔ راشد شاز کے کمرہ میں تاریکی تھی، اس کا اصل سبب جب حسنین مرحوم کو معلوم ہوا تو وہ سخت خفا ہوئے اور افراط و تفریط سے بچنے کی نصیحت کی۔ یہ نصیحت آج بھی کارگر ہے۔ اور بھی کچھ باتیں بہت دلچسپ آگئی ہیں جیسے ایک جلسہ میں مولانا امین احسن اصلاحی کی کرسی کے قریب ہی گاندھی جی بیٹھے اور جب مولانا کی

تقریر ختم ہوئی تو گاندھی جی نے کہا کہ میں نے آپ کی تقریر غور اور توجہ سے سنی۔ جماعت اسلامی کے لوگ فقیر ہیں مگر ایسے فقیر نہیں جو گندے کپڑوں میں رہتے ہیں اور بھیک مانگتے ہیں بلکہ دل کے فقیر ہیں۔ کیا زمانہ تھا جب گاندھی جی ایسی باتیں کرتے تھے۔ واقعی یہ کتاب ایک وثیقہ ہے، جس سے صرف جہان اقبال ہی نہیں، ماضی کی کئی اور داستانوں کی سیر، آسان ہو جاتی ہے۔

رشد و ہدایت کے منار : از مولانا عبداللہ کاپودروی، مرتب جناب اسماعیل یوسف کوثر کوساڑی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ وطباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۲۳۲، قیمت ۸۰/ روپے، پتہ: مجلس معارف، کاپودرا، ضلع بھروچ، گجرات ۳۹۳۰۰۱۔

اس کتاب میں قریب باون اصحاب علم وفضل یا رجال رشد و ہدایت کا تذکرہ ہے، ان میں کچھ کا تعلق سرزمین گجرات سے ہے اور باقی وہ ہستیاں ہیں جن سے ایک عالم روشن ہوا ہے۔ صاحب قلم خود گجرات کی قابل رشک اسلامی تاریخ وتہذیب کی بہترین مثال ہیں۔ علم نافع اور عمل صالح کی جو خوبیاں کتابوں میں ہیں، وہ ان کی شخصیت سے عیاں ہیں۔ محاسن کی یہ جلوہ گری یوں ہی نہیں، کاپودروی صاحب نے ایک عمر کاملین کے سایہ میں اس طرح گزاری کہ خود میں ان کے اثرات کو جذب کیا اور اس خوبی سے کہ ان ہی کو سب پکار اٹھیں، گزرجائیں جدھر ہو کر۔ وہ خود لکھتے ہیں کہ جب تک آدمی (طالب) صدہا اہل علم سے ملاقات نہ کرے اور ان کے علوم سے مستفید نہ ہو، اس کے سامنے علمی آفاق روشن نہیں ہوتے۔ کاپودروی صاحب کے ابتدائی درجات کے ایک استاد مولانا عبدالحئی ڈابھیلی کا ذکر ہے کہ وہ اردو زبان کی درستگی کا خاص خیال فرماتے۔ علامہ شبلی، سید سلیمان ندوی اور مولانا آزاد رحمہم اللہ کے نام اور ان کی کتابوں سے روشناس کراتے، گجرات کے ایک قصبہ میں اردو زبان کے اس خیال کا خیال کیا اب بھی ہے؟ ایک خوبی یہ بھی ہے کہ تاثرات میں اختصار ہے لیکن رشد و ہدایت کی جن کرنوں کو پیش کرنا مقصد ہے، اس میں کمی ذرا بھی نظر نہیں آتی۔ کھوئے ہوؤں کی جستجو کا مقصد آتش رفتہ کا سراغ پانا ہے، مولانا کا سادہ لیکن پر اثر اسلوب ہے۔ گویا اہل دل کی صحبتوں کا ماحول زندہ وتازہ کر دیا ہے۔ کتاب کے تعارف کے لیے مولانا سید محمد رابع ندوی کا صرف یہی جملہ کافی ہے کہ ''یہ ایک فیض رساں کتاب ہے'' اور یہ بھی کہ ''اس کتاب سے علماء اور طلبہ کو خاص طور پر فائدہ پہنچے گا''۔

نقوش ماجدی: از مولانا نعیم الرحمٰن صدیقی ندوی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد، صفحات ۳۰۴، قیمت ۲۰۰/روپے، پتہ: مکتبۃ الشباب العلمیہ، شباب مارکیٹ، ندوہ روڈ لکھنؤ۔

مولانا عبدالماجد دریابادی کے علم وقلم کی حکمرانی، حدود و ثغور میں آ ہی نہیں سکتی۔ کمیت و کیفیت دونوں حد بیاں سے باہر اور یہ قطعی مبالغہ نہیں، اس لیے ان کے نقوش کی تلاش بھی آسان نہیں۔ اس کتاب میں مولانا مرحوم کی شخصیت اور ان کی چند تصنیفات و تالیفات کی کچھ جھلکیاں اس غرض سے پیش کی گئی ہیں کہ ''مولف بھی ماجدی سوانح نگاروں کے زریں و روشن سلسلہ میں اپنی جگہ بنا سکے، گو تابع مہمل ہی سہی''۔ لائق مولف حضرت مولانا دریابادی کے پرنواسے ہیں اور اپنی صلاحیتوں سے وہ خانوادۂ ماجدی کی اس نئی نسل میں ممتاز ہیں جن سے مذہب، علم اور ادب کی ماجدی روایات کی توسیع کی امیدیں ہیں۔ تفسیر ماجدی انگریزی کے علاوہ سفر حجاز، ذکر رسولؐ، محمد علی ذاتی ڈائری اور خطبات ماجد اور سیاحت ماجدی جیسی کتابوں کا تعارف ہے۔ ایک باب میں مفسر، مفسر گر، ادیب، ادیب گر، صحافی، صحافت گر کے عنوان سے تین مضامین ہیں لیکن باب اول کو سبقت اس لیے حاصل ہے کہ اس میں مولانا مرحوم کی کتابوں کی مکمل فہرست، ان کے متعلق کتابوں اور رسائل و جرائد کے خصوصی شماروں، ان پر جامعات کے تحقیقی مقالوں کی تفصیل ہے۔ اس سے اس کتاب کی اہمیت بڑھ گئی۔ مولانا سید محمد رابع ندوی کے مقدمہ کے ساتھ پروفیسر عبدالرحیم قدوائی اور ڈاکٹر محمد شافع قدوائی کی تحریریں بھی ہیں، جن میں بجا طور پر کہا گیا کہ یہ کتاب عطر مجموعہ ہے اور یہ کہ ماجد فہمی کی ایک اہم کڑی ہے۔ جناب رئیس الشاکری نے تالیف کتاب کی تاریخ بھی خوب نکالی کہ ع چراغاں ہے نقوش ماجدی سے۔

التبیان لما فی الھند من الحیوان: از جناب بدر جمال اصلاحی، جمع و تدوین ڈاکٹر اورنگ زیب عالم گیر، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد، صفحات ۱۵۶، قیمت ۵۰۰/روپے، پتہ: روزورڈ بکس، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی۔

ایک زمانہ کے بعد حیوان ناطق سے پرے واقعی ہندوستانی حیوانوں کے بارے میں ایک پر از معلومات کتاب آئی، عربی زبان میں ہونے کی وجہ سے یہ اس دور کو بھی یاد دلا گئی جب ہمارے علماء دمیری و جاحظ نے دنیا کو پہلی بار علم حیوانات سے روشناس کرایا تھا۔ بدر جمال اصلاحی نے شیر، ببر شیر، اونٹ، گائے، گینڈا اور بارہ سنگھا وغیرہ کے بارے میں دلچسپ معلومات کو جمع کر دیا، مثلاً اسد کے تحت انہوں نے لفظ اسد کی تحقیق کی۔ عربی میں اسد کے لیے اور کتنے نام ہیں؟ ابن خالویہ کے حوالے سے بتایا کہ اسد کے لیے

پانچ سونام وصفات ہیں۔ابن قاسم لغوی نے اس میں ایک سوتیس ناموں کا اضافہ کردیا۔اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ناموں کی کثرت مسمّی کی عزت ظاہر کرتی ہے۔اسد کی فطرت اوراس کی عادات کوحدیث نبوی اورعربی ادب میں کس طرح بیان کیا گیا،اس کے اوصاف کیا ہیں،اس کی عمر کتنی ہوتی ہے۔اس کی کتنی نسلیں ہیں،امثال و اشعار عرب میں اس کا کیا مقام ہے؟ دوسرے جانوروں کی تحقیق کا بھی یہی حال ہے۔اصلاحی صاحب نے کبھی یہ مضامین لکھے تھے،لیکن لائق شاگرداور مرتب کتاب نے لکھا کہ اصلاحی صاحب کامحبوب موضوع حیوانیات ہی رہا۔ان مضامین کومرتب نے سلیقہ سے جمع اور شائع کر کے اپنے استاد کے لیے مسرت کا سامان توفراہم کیا۔عربی داں طبقہ کوبھی ایک تحفہ دیا جودلچسپ ہےاورمفید بھی۔

ڈاکٹر ایم نسیم اعظمی،شخصیت اور جہات: از جناب ظہیر حسن ظہیر،متوسط تقطیع،عمدہ کاغذ وطباعت،مجلدمع گرد پوش،صفحات ۵۰۸، قیمت ۳۵۰/روپے، پتہ: نیوز ٹاؤن پبلشرز 1A/۱۷۷،عائشہ منزل، پائپ روڈ، کرلا ممبئی ۴۰۰۰۷۰۔

ڈاکٹر نسیم اعظمی کی عمرزیادہ نہیں لیکن انہوں نے تدریس کے پیشے سے وابستہ رہتے ہوئے۔قلم و قرطاس سے اپنے رشتوں کومسلسل قوت وتوانائی بخشی۔ادیب وشاعر کی حیثیت سے ان کی کتابوں کی تحسین کی گئی،لیکن ان کی اصل شناخت وشہرت،فن تعلیم کے ماہر کی حیثیت سے ہوئی۔ان کی کتابیں تعلیمی جہات اور تعلیمی تجزیے، تعلیمی نکات، تعلیمی اشارات وغیرہ کو پورے ملک میں قدر کی نظر سے دیکھا گیا۔سید حامد مرحوم نے ان کوثمرآور سے تعبیر کیا۔اس کتاب میں ان کی اب تک کی تمام خدمات بلکہ فتوحات کو بڑے سلیقہ سے پیش کیا گیا ہے۔اس کے لیے لائق مرتب مستحق تبریک ہیں۔

والفجر: از ڈاکٹر آفاق فاخری،متوسط تقطیع،عمدہ کاغذ وطباعت،مجلد،صفحات ۱۱۲، قیمت ۱۰۰/ روپے، پتہ: ڈاکٹر آفاق فاخری،محلہ قاضی پور،جلال پور،امبیڈکرنگر اور دانش محل،امین آباد،لکھنؤ کے علاوہ عارف علی بک سیلر،لطیف مارکیٹ،خیرآباد،سیتاپور۔

ڈاکٹر آفاق فاخری محتاج تعارف نہیں۔خوش گوئی وخوش گلوئی نے ان کوشہرت ومقبولیت دی۔ زیرنظر مجموعہ اشعار،بارگاہ رسالت ؐ میں ان کا نذرانہ عقیدت ہے۔معصوم اور پاک خواہشوں اورتمناؤں کا سادہ لیکن بڑا پراثر اظہار۔ کاش اک آپ کے ادنیٰ سے غلاموں میں بھی لے لیا جائے مرا نام،رسول عربی ؐ ہاں، ع عشق احمد ؐ میں جو مبتلا ہو گیا میں مبتلا کا لفظ توجہ طلب ہے۔

ع۔ص

رسید کتب موصولہ

استدراکات: ازمولانا محفوظ الرحمٰن فیضی، مکتبہ نعیمیہ، صدر بازار مئو ناتھ بھنجن۔ قیمت درج نہیں

باقیات کوثر (تحقیق و تدوین): مرتب قاضی گل مینا کمال احمد، اردو چینل ۱۲۱ ۳/ ۷، گنجانن کالونی، گوونڈی، ممبئی ۴۰۰۰۴۳۔ قیمت: ۲۵۰/روپے

پیکر دین و دانش امام غزالیؒ: مرتب پروفیسر اختر الواسع، البلاغ پبلی کیشنز، N-1، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی ۔۲۵۔ قیمت: ۲۵۰/روپے

حضرت مولانا محمد عمران خان ندوی ازہریؒ، نقوش و تاثرات: مسعود الرحمٰن خاں ندوی ازہری، مکتبہ دین و دانش، ۱۳۔ مسجد شکور خان روڈ، بھوپال ۴۶۲۰۰۱۔ قیمت: ۵۰۰/روپے

خانوادۂ سیدہ زینب بنت فاطمۃ الزہراؓ: ازمولانا سید شاہ ہلال احمد قادری پھلواروی، دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف، پٹنہ، بہار۔ قیمت: ۲۰۰/روپے

خلافت راشدہ کا تاریخی جغرافیہ: ازاخلاق احمد قادری، البلاغ پبلی کیشنز، N-1، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی ۔۲۵۔ قیمت: ۳۵۰/روپے

عدالت عظمیٰ ہند کا فیصلہ (اکشر دھام مندر پر حملہ اور تفتیشی ایجنسیوں کا کردار): مترجمین: محمد ارشاد حنیف/ ابرار حسن ندوی، مکتبہ ایوب علمیہ، عادل نگر لکھنؤ۔ قیمت: ۳۰۰/روپے

کلیات ثروت: مرتب ڈاکٹر جاوید نسیمی، سید اسلم میاں، محلہ بیریان، رامپور۔ قیمت: ۳۵۰/روپے

مجذوب (پتّن): از کوی کو (ڈاکٹر عبدالرحمٰن)، مترجم مظفر علی شہ میری، کوی کو پول وِڑا کمیٹی، چنئی۔ قیمت: ۱۲۰/روپے

نغمات الانس فی مجالس القدس: از سید شاہ ہلال احمد قادری پھلواروی، دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ، پھلواری شریف، پٹنہ، بہار۔ قیمت: ۳۵۰/روپے

تصانیف علامہ شبلی نعمانیؒ

کتاب	قیمت
سیرۃ النبیؐ جلد اول و دوم (یادگار ایڈیشن)	2000/-
سیرۃ النبیؐ (خاص ایڈیشن مکمل سیٹ ۷ جلدیں) علامہ شبلی و سید سلیمان ندوی	2200/-
مقدمہ سیرۃ النبیؐ	30/-
الفاروق	300/-
الغزالی	200/-
المامون	175/-
سیرۃ النعمان	300/-
سوانح مولانا روم	80/-
شعرالعجم اول	150/-
شعرالعجم دوم	130/-
شعرالعجم سوم	125/-
شعرالعجم چہارم	150/-
شعرالعجم پنجم	120/-
الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی (محقق ایڈیشن) تحقیق: ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی	350/-
الکلام	230/-
علم الکلام	180/-
موازنہ انیس و دبیر	100/-
اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر	100/-
سفرنامہ روم و مصر و شام	200/-
کلیات شبلی (اردو)	180/-
کلیات شبلی (فارسی)	45/-
مقالات شبلی اول (مذہبی) مرتبہ: سید سلیمان ندوی	100/-
مقالات شبلی دوم (ادبی) 〃	70/-
مقالات شبلی سوم (تعلیمی) 〃	80/-
مقالات شبلی چہارم (تنقیدی) 〃	200/-
مقالات شبلی پنجم (سوانحی) 〃	150/-
مقالات شبلی ششم (تاریخی) 〃	90/-
مقالات شبلی ہفتم (فلسفیانہ) 〃	100/-
مقالات شبلی ہشتم (قومی و اخباری) 〃	110/-
خطبات شبلی مرتبہ: عبدالسلام ندوی	80/-
انتخابات شبلی مرتبہ: سید سلیمان ندوی	45/-
مکاتیب شبلی اول 〃	150/-
مکاتیب شبلی دوم 〃	190/-
شذرات شبلی مرتبہ: ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	220/-

ISSN 0974 - 7346 Ma'arif (Urdu) -Print
September 2016 Vol- 198 (3)
RNI. 13667/57 MA'ARIF AZM/NP- 43/016
Monthly Journal of
Darul Musannefin Shibli Academy
P.O.Box No: 19, Shibli Road, Azamgarh, 276001 U.P. (India)

تصانیف و مطبوعات شبلی صدی تقریبات

۱۔	سیرۃ النبیؐ جلد اول ودوم (یادگار ایڈیشن)	علامہ شبلی نعمانی	2000/-
۲۔	شبلی کی آپ بیتی	ڈاکٹر خالد ندیم	325/-
۳۔	دار المصنّفین کے سو سال	کلیم صفات اصلاحی	350/-
۴۔	شذرات شبلی (الندوہ کے شذرات)	مرتبہ: ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	220/-
۵۔	الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی	علامہ شبلی نعمانی تحقیق: ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی	350/-
۶۔	محمد شبلی لائف اینڈ کنٹری بیوشنس	ڈاکٹر جاوید علی خاں	230/-
۷۔	حیات شبلی (جدید)	علامہ سید سلیمان ندوی	650/-
۸۔	مولانا الطاف حسین حالی کی یاد میں	اشتیاق احمد ظلی	250/-
۹۔	حیات سعدی	تصنیف: خواجہ الطاف حسین حالی	400/-
۱۰۔	شبلی شناسی کے اولین نقوش	مرتبہ: ظفر احمد صدیقی	600/-
۱۱۔	شبلی ایک دبستان	آفتاب احمد صدیقی	250/-
۱۲۔	محمد علی (ذاتی ڈائری کے چند ورق) اول	مولانا عبد الماجد دریابادی	300/-
۱۳۔	متاع رفتگاں	شاہ معین الدین احمد ندوی	200/-
۱۴۔	یہود اور قرآن مجید	مولانا ضیاء الدین اصلاحی	150/-
۱۵۔	رسائل شبلی	علامہ شبلی نعمانی	300/-
۱۶۔	اردو ترجمہ مکاتیب شبلی	ڈاکٹر خالد ندیم	110/-